ہمارا ابن بطوطہ

مائل خیرآبادی

اِنتساب

داعیانِ حق کے نام

(مائل خیرآبادی)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا

اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ - (حم سجدہ - ۳۳)

ترجمہ

بھلا اُس شخص سے بھلی بات اور کس کی ہو سکتی

ہے جو اللہ کی طرف بُلائے، خود اچھے کام

کرے اور کہے کہ میں تو اللہ کے فرمانبردار

میں سے ہوں۔

ہمارا ابن بطوطہ

فہرست

۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا ابنِ بطوطہ

تعارف

عرب سیاح ابن بطوطہ کی طرح " ہمارا ابن بطوطہ " کوئی تاریخی شخصیت نہیں بلکہ وہ ایک فعّال کردار ہے جس کے نمونے ہر زمانے میں مختلف مقامات پر چلتے پھرتے پائے جاتے رہے ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک پائے جاتے رہیں گے۔ نازک سے نازک تر اور صبر آزما حالات میں یہ فعّال کردار اپنے موقف پر ثابت قدم ہی نہیں رہتا بلکہ وہ حالات سے ٹکرا کر انھیں اپنے موافق بنانے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اس کے اس سفرنامے سے ثابت ہوتا ہے۔" ہمارا ابن بطوطہ " اس لیے سفر نہیں کرتا کہ دنیا کے نوادرات ہی دیکھے بلکہ وہ جگہ جگہ پہنچ کر وہ گوشے تلاش کرتا ہے جن سے تبلیغِ اسلام کی راہیں کھلتی ہیں۔ اللہ اُس کی مدد کرتا ہے اور اس کا سفر اس حیثیت سے نہایت کامیاب کہا جا سکتا ہے

" ہمارا ابن بطوطہ " سفر کرتا ہوا اجنبی ماحول میں پہنچتا ہے، — بھیانک جنگلوں سے گزرتا ہے، بے آب و گیاہ ریتیلے میدانوں کو پار

کرتا ہے، ہیبت ناک سمندروں اور متلاطم دریاؤں کو عبور کرتا ہے، اس کا مقابلہ ڈاکوؤں سے ہوتا ہے، وہ وحشی درندوں سے دوچار ہوتا ہے۔ ان سارے دشوار گزار مرحلوں میں اس کا موقف ایک سچے مسلمان اور داعیِ اسلام کا ہوتا ہے — نہایت بے خوفی کے ساتھ ہر جگہ اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہر مقام پر اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ دکھائی دیتا ہے وہ گرفتار بھی ہوتا ہے، اسے اپنی جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے، وہ زخمی ہوتا ہے، لوٹ لیا جاتا ہے، اس پر یہ سب حادثے آتے ہیں لیکن نہ تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے جانے دیتا ہے اور نہ گھبراتا ہے۔ وہ ان نازک حالات میں اللہ سے مدد کا طالب ہوتا ہے اور اللہ اسکی مدد فرماتا ہے پھر کفر کی تاریکیاں چھنٹتی ہیں، اسلام کی روشنی پھیلتی ہے اور اس طرح جب "ہمارا ابن بطوطہ" آزمائش کے گردابوں سے نکلتا ہے تو اس کی ہمت ایسے ہی دوسرے سمندروں کی تلاش کی طرف موڑ دیتی ہے۔ ہمارا ابن بطوطہ آگے بڑھتا ہے، پیچھے ہٹنا وہ اپنی نہیں اسلام کی شکست سمجھتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ابن بطوطہ کے اس مضبوط اور فعّال کردار کی اصل اور بنیاد کیا ہے؟ اس کا جواب خود اس کا یہ سفرنامہ ہے۔ اس کا سفرنامہ پڑھنے والا واضح طور پر سمجھ لیتا ہے کہ ہمارے ابنِ بطوطہ کا عقیدہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"، اس کا نصب العین اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہے اور وہ اللہ کی اس زمین پر اللہ کے دین کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔

"ہمارا ابن بطوطہ"، ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔ اس کا سفرنامہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ ہم اس کا سفرنامہ پڑھ کر اپنا مقام بھی دیکھ سکتے ہیں اور یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں کہاں کھڑا ہونا چاہیئے تھا لیکن ہم کہاں

کھڑے ہیں ؟

اگر ہم اس فکر و نظر سے اس کا یہ سفر نامہ پڑھیں گے تو ہمارے ایمان میں تازگی اور ہمارے اسلام میں پختگی آئے گی اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے اندر وہ داعیہ ابھرے جو خدا کی توفیق سے ہمیں وہ مقام دلا دے جو مقام اس سفرنامے میں ہمارے ابن بطوطہ کا ہے۔

یہ سفرنامہ اسی غرض کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ سفرنامہ مرتب کرتے وقت جو فعّال کردار جہاں ملا، اسے مرتب نے اپنا ابن بطوطہ تسلیم کیا اور پھر اس کے واقعات کو اپنے لفظوں میں ڈھال کر اس سفرنامے کا جزء بنا دیا۔ ساتھ ہی مزید دل چسپی اور افادیت کی غرض سے طبعزاد واقعات بھی شامل کر دیئے۔ اس طرح سفرنامہ نہایت دل چسپ ہو گیا۔

"ہمارا ابن بطوطہ" دہلی کے مشہور اخبار "دعوت" کی سہ روزہ اشاعت میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ الحمد للّٰہ پڑھنے والوں نے اسے بہت پسند کیا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو اس سلسلے میں آتے رہے۔ ان خطوط میں یہ تقاضا بھی تھا کہ جلد سے جلد اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے ارادہ تھا کہ اس سفرنامے کے حوالے سے وہ تمام گوشے سامنے آجائیں جو کسی داعیِ اسلام سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے، اس وقت یہ مجموعہ مرتب ہو کر کتابی شکل میں پیش کیا جائے لیکن ہم اپنے کرم فرماؤں کے تقاضوں اور انکے اصرار پر نظرِ ثانی اور کسی قدر اضافے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں، ترتیب کے وقت ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ اس کی زبان آسان اور دلچسپ رہے تاکہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ سفرنامہ ترتیب دیا گیا ہے، وہ پورا ہو۔ اس سفرنامے کے پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ وہ اس سفرنامے کے مرتب کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے اِس سفر نامے کے ہیرو کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مائل خیرآبادی)

دیباچہ

یہ دنیا خیر و شر دونوں کا مسکن ہے۔ یہاں بھلائی کی بھی طاقتیں موجود ہیں اور بُرائی کی بھی اور دونوں کو اپنے اپنے طور پر کام کرنے کی پوری آزادی ملی ہوئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں ٹکراتی اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے برابر زور لگاتی رہتی ہیں اس لئے یہ ایک فطری سی بات ہے کہ اسلام کی راہ بھی روکی جائے اور یہ بھی کہ اسے برداشت بھی نہ کیا جائے۔ اس لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان رکاوٹوں کے بارے میں امتِ مسلمہ کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ اسلام اس سوال کے جواب میں ہدایت دیتا ہے کہ رکاوٹ کوئی ہو، اُسے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی جائے، مسلسل کی جائے اور آخری حد تک کی جائے۔

اس کوشش کو شریعت میں "جہاد فی سبیل اللہ" اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کا نام دیا جاتا ہے۔ جہاد کے لفظی معنیٰ یہ ہیں کہ کسی کام کے لئے اپنی کوششیں صرف کر ڈالی جائیں اور مقصد تک پہنچنے کے لئے اپنی ساری طاقت نچوڑ دی جائے۔ اس لیے راہِ خدا میں جہاد کرنے کا مفہوم یہ ہوا کہ صرف اللہ کی رضا

کی خاطر، اس کے دین کی پیروی اور شہادت کا حق ادا کر دینے کے لئے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے، جو بس میں ہو۔

ظاہر بات ہے کہ کسی مقصد کی خاطر جد و جہد کی جاتی ہے، اس کا حالات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے حالات ہوتے ہیں انہی کی مناسبت سے شکلیں بھی اختیار کی جاتی ہیں، اور کسی مقصد کی واقعی خدمت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے لئے جد و جہد کا طریقہ وقت اور ماحول کو سامنے رکھ کر مقرر کیا گیا ہو۔"

ایک مفکر کی ایک عبارت کا یہ اقتباس ہمارے ابن بطوطہ کے سفرنامے کے لیے نہایت موزوں دیباچہ ہے۔ ہمارا ابن بطوطہ اس کسوٹی پر کیسا ثابت ہوتا ہے، یہ فیصلہ اس کا سفرنامہ پڑھنے والا ہی کر سکتا ہے

(مائل خیرآبادی)

جنگلی لڑکی

- شیر اور گھڑیال کی زد میں
- دلدل
- للّی
- للّی کا باپو
- باپو کی آپ بیتی
- اسلام کی تلقین
- ایک راجہ
- راجہ کا مسلمان ہونا
- للّی کی راجہ سے شادی

ہمارے ابن بطوطہ کے سفرنامے کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار وہ ایک جنگل میں سات دن بھٹکتا پھرا۔ اس پورے ہفتے میں اس نے جنگل میں جو کچھ دیکھا، جس طرح اس نے جنگل میں دن کاٹے اور جس طرح جنگلی جانوروں سے اپنے کو بچایا، وہ سب اس نے خوب پھیلا کر اور مزے لے کر لکھا ہے لیکن ہماری نظر میں اس جنگل کا سب سے زیادہ مزے دار اور نصیحت والا واقعہ وہ ہے جو اس نے آخر میں لکھا ہے۔ ہم وہی واقعہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

شیر اور گھڑیال کی زد میں

وہ لکھتا ہے کہ :-

"عصر کا وقت تھا۔ میں نے سوچا نماز پڑھ لینی چاہیے۔ میں پانی کی تلاش میں ایک طرف چلا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ندی مل گئی میں اس کے کنارے بیٹھ کر وضو کرنے لگا۔ اچانک پانی میں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی جانور میری طرف آرہا ہو۔ میں نے دیکھا وہ گھڑیال تھا۔ منہ کھولے دھیرے دھیرے میری طرف آرہا تھا۔ اس خطرے کو اچانک سامنے دیکھ کر "اللہ خیر!" میری زبان سے نکلا اور میں نے جھٹ ایک طرف چھلانگ لگا دی، میں دور جا گرا۔ ٹھیک اسی وقت جب میں نے چھلانگ لگائی تھی، شیر کی گرج سنائی دی۔ اب جو دیکھا ٹھیک اسی جگہ جس جگہ میں بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا، ایک شیر گھڑیال کے جبڑوں میں پھنسا ہوا تھا اور اس کے منہ سے نچ نکلنے کے لئے تڑپ رہا تھا لیکن شیر کے بنائے کچھ نہ

بن سکا۔ گھڑیال شیر کو پانی میں گھسیٹ لے گیا اور پھر نہ اُبھرا۔
میں سوچنے لگا کہ یہ کیسے ہو گیا؟ شیر گھڑیال کے منہ میں کس طرح آ پھنسا؟
میری سمجھ میں آیا میرے آگے پانی میں سے گھڑیال نے مجھے دیکھا اور پیچھے سے شیر نے، پھر ٹھیک اس وقت جبکہ گھڑیال منہ کھول کر مجھ پر جھپٹا، ٹھیک اسی وقت شیر نے مجھ پر چھلانگ لگا دی اور ٹھیک اسی وقت میں دوسری طرف کو دگیا۔ تو پھر ہوا یہ کہ میں تو گھڑیال سے بچ گیا اور میرے بدلے شیر گھڑیال کے منہ میں جا گرا۔ میں تھوڑی دیر تک ہکّا بکّا سا رہا پھر میں نے سوچا شاید ابھی زندگی باقی ہے۔ موت کا ایک دن مقرر ہے، وہ اپنے وقت پر ہی آئے گی تو پھر گھڑیال مجھے کیسے پکڑ سکتا تھا اس وقت مجھے ایک عارف کا وہ مقولہ یاد آیا جس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ فرمایا
"موت زندگی کی خود حفاظت کرتی ہے"۔

دَلدَل

میں یہی سوچ رہا تھا اور اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی دلدلی زمین میں آ پھنسا۔ سچ مچ میں دلدل میں تھا اور میرے پیر پنڈلیوں تک اس کے اندر۔ اب تو میں گھبرایا۔ وہی بات ہوئی جو کسی نے کہی ہے:؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
اور کیسی پڑی سر پر مرے اللہ نئی!

میں نے دلدل سے پیر نکالنے کی کوشش کی تو پیر نکلنے کے بدلے گھٹنوں تک دلدل میں چلے گئے۔ اب تو میں پریشان ہونے لگا، میں نے اور زور لگایا تو ایک بالشت اور اندر چلا گیا۔ یہ دیکھ کر میری پریشانی اور بڑھی اور بھئی سچ پوچھئے تو تھی بھی پریشان کر دینے والی بات۔ میں دلدل سے نکلنے کے لئے جتنا زور لگا

رہا تھا اتنا ہی اندر دھنستا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں کمر تک اندر چلا گیا۔ اب میں نے چیخنا شروع کر دیا "بچاؤ، بچاؤ، خدا کے لیے بچاؤ، مجھے یہ زمین نگلے جا رہی ہے۔" میں پوری طاقت سے چلاّ رہا تھا۔ دیر تک چلاّنے کے بعد جب میری مدد کو کوئی نہ آیا تو میں نے یقین کر لیا کہ میری موت گھڑیال کے منہ میں نہیں بلکہ اس دَلدَل میں تھی اور اب گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں میرا پتہ بھی نہ چلے گا کہ میں کہاں گیا؟

موت کا یقین ہو گیا تو میں نے خدا کو یاد کیا اور کلمہ پڑھنے لگا ابھی میں نے پانچ چھ بار ہی کلمہ پڑھا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں آواز آئی۔ "زور نہ لگاؤ، زور نہ لگاؤ، ایک طرف جھک جاؤ۔"

للّی

میں اس طرف دیکھنے لگا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ میں نے دیکھا سترہ اٹھارہ سال کی ایک لڑکی شیر کی کھال پہنے، ایک موٹا سا رسّہ کاندھے پر ڈالے ندی کی طرف دوڑی چلی آ رہی تھی اور پکار رہی تھی "زور نہ لگاؤ، زور نہ لگاؤ۔"

اسے دیکھ کر میں خوش ہو گیا۔ وہ ایک پیڑ کے پاس آ کر رُکی۔ اس نے رسّے کا ایک سرا پیڑ سے باندھا دوسرا سِرا میری طرف پھینکا۔ رسّے کا دوسرا سِرا ٹھیک میرے اوپر آ کر گرا۔ میں نے پکڑ لیا۔ "شاباش جوان! چھوڑنا نہیں، دیکھو میں تمھیں کھینچتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے زور لگایا لیکن میں پھنسا کا پھنسا رہا۔ اُسنے اور زور لگایا میں اب بھی اوپر نہ آ سکا۔ اُس نے اور زیادہ زور لگایا، ارے بھئی، اس نے بھرپور زور لگا دیا، اُسکا چہرہ تمتما اٹھا، لیکن میں تو کمر تک دلدل کے اندر تھا۔ مجھے کھینچنے کیلئے ہاتھی کی طاقت چاہیے، جی ہاں ہاتھی کی طاقت۔ وہ تھک کر چور ہو گئی اُسنے اِدھر اُدھر دیکھا لکڑی کا ایک لٹھا

پاس ہی پڑا تھا۔ اس نے رسّے کو پیڑ سے کس دیا۔ پھر بڑھ کر لٹّھا اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا "بڑی طاقتور ہے یہ لڑکی"۔ لٹھا اٹھا کر اس نے مجھ سے کہا "جوان! رسّہ پکڑ کر تم خود زور لگاؤ تو!" رسّہ پیڑ سے بندھا ہوا تھا ہی، میں نے مضبوطی سے پکڑا اور زور لگایا تو کچھ اوپر آ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت لڑکی نے لٹھا میری طرف پھینکا لٹھا میرے پاس ہی دو تین ہاتھ کی دوری پر گرا اور اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جانے سے مجھے کچھ ایسا لگا جیسے دو چار انگل میں آپ سے آپ اوپر آ گیا۔ اب میں نے پکارا "کوئی لٹھا اور پھینکو۔ خدا تمہاری مدد کرے"۔ یہ سُن کر لڑکی خوش ہو گئی لیکن مشکل یہ تھی کہ آس پاس کوئی اور لٹھا نہیں تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر پھر رسّہ پکڑا اور مجھ کو کھینچنے کی ایک کوشش اور کی۔ کامیابی نہ ہوئی تو اب اُس نے جنگل کی طرف رُخ کر کے پکارا "باپو، باپو، باپو، او باپو، باپو........!"

للّی کا باپو

جنگلی لڑکی پوری طاقت سے باپو کو پکار رہی تھی۔ اسے پکارتے زیادہ دیر نہ لگی تھی کہ جنگل سے ادھیڑ عمر کا ایک آدمی نکلا۔ وہ بھی شیر کی کھال پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پاس بلّم تھا اور تیر کمان بھی۔ چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں اور گھنی داڑھی تھی۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھا، دیکھتے ہی دوڑ پڑا۔ لڑکی کے پاس آیا۔ لڑکی نے میری طرف اشارہ کیا، اور اشارہ کرتے ہی رسّہ پکڑ کر کھینچا۔ اُس آدمی نے بھی رسّہ پکڑا اور اب دونوں نے جُٹ کر زور لگایا تو میں اوپر آ گیا اور پھر دونوں نے اپنی طرف مجھے کھینچ لیا۔

مجھ کو دلدل سے نکال کر دونوں بہت خوش ہوئے۔ جنگلی لڑکی تو اتنا

خوش تھی جیسے اس نے کسی اپنے گھر کے آدمی کی جان بچائی ہو، خوشی کے مارے وہ پھولی نہیں سما رہی تھی ۔ اس کا باپو پچاس کے لگ بھگ تھا ۔ اس نے مجھ سے کہا :۔

" جوان ! خدا نے تم کو بچایا ۔ میں اس وقت بہت خوش ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ اس خدا کا شکر کیسے ادا کروں جس نے تمھاری مدد کے لیے مجھے بھیج دیا "

یہ کہہ کر اس نے لڑکی سے کچھ کہا اور اسی طرف کو چل دیا، جدھر سے آیا تھا ۔ لڑکی کی مدد سے میں نے اپنے کپڑے کچھ نہ کچھ اس طرح صاف کر لیے کہ پہن کر چل سکتا ۔ اس کے بعد لڑکی مجھے لے کر چلی ۔ آگے آگے وہ تھی، اس کے پیچھے میں ۔ دھوپ اب پیلی پڑ چکی تھی، سورج کے ڈوبنے میں دیر نہیں تھی ۔ جنگلی لڑکی تیز تیز چلنے لگی ۔ میں بھی جلدی جلدی قدم اٹھانے لگا ۔ میرا دل بہلانے کے لیے لڑکی مجھ سے باتیں بھی کرتی جاتی تھی ۔ بڑی ہی باتون تھی وہ لڑکی ۔ زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی ۔

" جوان ! تم جنگل میں ڈرتے تو نہیں ! میں تو بالکل نہیں ڈرتی ۔ میرے باپو نے بتایا ہے کہ انسان سے بڑے سے بڑا جانور ڈرتا ہے ۔ میرے باپو نے بتایا ہے کہ انسان میں بڑی طاقت ہے ۔ انسان شیر کو قابو میں کر لیتا ہے ۔ ہاتھی کو بس میں کر لیتا ہے بڑے سے بڑے اژدہے کو مار سکتا ہے، پانی پر تیر سکتا ہے، پہاڑوں پر چڑھ سکتا ہے ۔ جوان ! تم کبھی پہاڑوں پر چڑھے ہو، میں پہاڑوں پر کئی بار چڑھ چکی ہوں جب بھی میں پہاڑوں پر چڑھی مجھے ایسا لگا کہ میں سب سے بڑی ہوں، انسان سب سے بڑا ہے ۔ میں نے باپو سے یہی بات کہی تو باپو نے بتایا، انسان سے بڑا، بہت بڑا، بہت ہی بڑا خدا ہے "

" خدا، خدا " اے جوان ! میں نے باپو سے کئی بار کہا " خدا کہاں ہے ؟ لیکن افسوس وہ خدا کو جانتے ہوئے بھی مجھے نہیں بتاتے ۔ جوان ! تم نے خدا کو دیکھا ہے، بتاؤ بتاؤ جوان ! تم ضرور جانتے ہو گے ......! "

میں بالکل خاموش اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ سورج اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ پچھم کی طرف لالی چھائی ہوئی تھی۔ مغرب کے وقت جنگلی لڑکی مجھے لے کر اپنے گھر پہنچی۔ "گھر" کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں کوئی محل کھڑا تھا یا جھونپڑا پڑا تھا، کچھ جھاڑیوں کو چھانٹ چھانٹ کر، تراش تراش کر کوٹھری سی بنالی تھی، اس کے سامنے زمین صاف کر لی تھی اور اس کے چاروں طرف جس طرح باڑھ بنالیا جاتا ہے اس طرح لکڑیوں کو کھڑا کر کے آپس میں باندھ دیا تھا۔ بس یہ تھا اس کا گھر۔ اس کا باپو پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ میں نے جاتے ہی کہا "میرے مددگار دوستو! میں نماز پڑھوں گا۔"

"نماز؟ نماز کسے کہتے ہیں، ہم نہیں سمجھے، جوان! تم کیا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا "مجھے پانی چاہیے۔" لڑکی نے مجھے پانی دیا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ دونوں بڑے تعجب کے ساتھ مجھے دیکھ رہے تھے، جب میں نماز پڑھ چکا تو دونوں نے ایک ساتھ مجھ سے پوچھا:۔

"جوان! تم نے یہ کیا کیا؟"

"میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔"

"تم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ تم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہی تو میں جاننا چاہتا تھا۔" جنگل کا وہ آدمی جو تنہا وہاں رہ رہا تھا، کئی جملے بول گیا اور جواب سننے کے لیے بے چین ہونے لگا۔

"بتاؤ جوان! باپو یہی تو دن رات سوچتے رہتے ہیں۔" جنگلی لڑکی مجھ سے کہہ رہی تھی "اور دیکھو، تم یہ بھی بتانا کہ خدا کہاں ملے گا۔ میں جانتی ہوں جوان! تم کو سب معلوم ہے۔"

"دیکھو للّی! ٹھہرو، جوان بھوکا ہوگا، اسے پہلے کھانا کھلاؤ۔ تم بھی کھاؤ۔

میں بھی کھاؤں۔ اس کے بعد اس جوان سے باتیں کریں، یہ جوان جانتا ضرور ہے یہ ہمیں ضرور بتائے گا۔ لیکن جوان! مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ تم اس دیس کے باسی نہیں ہو۔

للّی سے کہتے کہتے آدمی نے مجھ سے کہا اور میں نے اقرار کیا کہ میں عرب کا رہنے والا ہوں۔

للّی ایک ڈلیا میں جنگلی پھل لے آئی۔ زمین پر اس نے چٹائی بچھا دی تھی۔ ہم سب اس چٹائی پر بیٹھ گئے۔ کسی جانور کی کھال بچھا کر للّی نے پھل اس پر چُن دیئے پھر چاند کی روشنی میں ہم سب پھل کھانے لگے۔

میں پھل کھاتا جاتا اور سوچتا جاتا کہ یہ دونوں کون ہیں؟ جنگل میں کیوں رہ رہے ہیں؟ وہ دونوں بار بار میرا چہرہ دیکھتے، وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے مگر اس وقت تک چپ رہے جب تک کھاتے رہے۔ کھا کر اٹھے تو اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے پوچھیں، میں نے ان سے کہا "پہلے آپ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور اس بھیانک جنگل میں کیوں بس گئے؟"

یہ سُن کر لڑکی باپو کا منہ تکنے لگی۔

"پہلے میں بتاؤں، پہلے میں بتاؤں" باپو نے دوبارہ کہا اس کے بعد بولا "اچھا لو، پہلے میری ہی کہانی سُن لو۔"

باپو کی آپ بیتی

اب سے بیس برس پہلے کی بات ہے، اس وقت میری عمر پچیس[۲۵] تیس[۳۰] سال کے بیچ تھی۔ میں بچپن ہی سے دیکھا کرتا کہ لوگ مورتیوں کو پوجتے ہیں، ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان سے ڈرتے اور آس لگاتے ہیں۔

مورتی پوجا کے علاوہ میں دیکھا کرتا کہ لوگ دیوی دیوتاؤں اور بھوت پریتوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ میں سوچا کرتا یہ مورتیاں تو پتھر کی ہیں، یہ تو خود بے بس ہیں، انسان انھیں خود گڑھ لیتا ہے۔ پھر ان کو کیوں پوجتا ہے؟ یہ مورتیاں تو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اڑا سکتیں تو ہمیں کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ میں نے یہی بات اپنے باپ سے کہی۔ باپ مجھ پر بہت خفا ہوا۔ خفا ہو کر بولا کہ اگر ایسی باتیں کروگے تو تم کو گھر سے نکال دوں گا۔ میرا باپ مورتیاں بنا بنا کر بیچا کرتا تھا اس لیے وہ اور بھی ناراض ہوا لیکن میں برابر یہی سوچتا رہا۔ پھر جب میں ذرا اور بڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگ طرح طرح کے رواجوں میں پھنسے ہیں شادی بیاہ کے موقعوں پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے اور بڑی بڑی رقمیں فضول کاموں میں اڑا دیتے ہیں پھر چوریاں کرتے ہیں ڈاکے ڈالتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں، سود کھاتے ہیں، آپس میں لڑتے ہیں، عورتوں کی بے عزتی کرتے ہیں۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ یہ باتیں بری ہیں، انھیں چھوڑ دو۔

میرا خیال تھا کہ بری باتوں پر ٹوکوں گا تو لوگ میرے طرفدار ہو جائیں گے مگر ان پر الٹا اثر ہوا۔ لوگ الٹے مجھ سے ناراض ہو گئے۔ پھر جب میں جوان ہوا تو باپ نے میری شادی کر دی۔ لوگوں نے بتایا تھا کہ شادی کر دو تو لڑکا آپ سے آپ ٹھیک ہو جائے گا، مگر شادی کے بعد بھی میں اسی طرح سوچا کرتا۔ میں نے یہی باتیں بیوی کے سامنے رکھیں۔ میری بیوی بھی میری طرح سوچنے لگی۔ اس طرح کئی برس ہو گئے۔ بچی پیدا ہوئی تو نہ جانے کیسی بری بری رسمیں گھر میں ہونے لگیں میں نے ساری رسمیں روک دیں تو محلّے ٹولے کے لوگ بہت بگڑے۔ میں جوان تو تھا ہی، میں نے کسی کی پروا نہیں کی۔ پھر جب میرے باپ نے مجھے ڈانٹا تو مجھے غصّہ آ گیا۔ میں نے رات کے وقت گھر کی ساری مورتیاں ایک گندے گڑھے میں ڈال دیں۔ صبح کو لوگوں نے دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کام کس نے کیا؟ مجھ سے پوچھا

گیا تو میں نے کہا " جب تم ان کو خدا بناتے ہو تو ان سے پوچھ لو، یہ مورتیاں بتا دیں گی کس نے انھیں پھینکا ہے پھر ان سے کہو کہ گڑھے سے نکل آئیں "۔

میں نے ذرا زور دے کر کہا " یہ بے بس ہیں، یہ گڑھے سے نہیں نکل سکتیں۔ جب یہ کچھ نہیں کر سکتیں تو تم لوگ کدھر بھٹکے جا رہے ہو!"

" اچھا پھر تم ہی بتاؤ، ہم خدا کو کس طرح پوجیں؟ " مجھ سے سب نے پوچھا جوان! تم سے سچ کہوں، یہ بات مجھے بھی نہیں معلوم تھی۔ میں نے بُرائی کو تو پہچان لیا لیکن خدا کے بارے ـــــ میں کچھ نہ بتا سکا تو لوگوں نے مجھے پیٹنا شروع کر دیا میری بیوی اس وقت للّی کو لیے لیٹی ہوئی تھی اس نے سُنا تو دوڑتی ہوئی آئی، مجھے بچانے لگی۔ لوگ اسے بھی مارنے لگے۔ اب تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے بھی لات گھونسے چلائے، مگر میں اکیلا کر ہی کیا سکتا تھا۔ للّی کی ماں کے چوٹیں زیادہ آگئیں اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ میں نے اسے بے ہوش دیکھ کر ہاتھ روکا، اس کی طرف لپکا۔ لوگوں نے بھی مار پیٹ بند کر دی وہ سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ میں نے بیوی کو اُٹھایا۔ اسمیں دم نہیں تھا۔ وہ مر چکی تھی۔ میں اسے اُٹھا کر گھر لے گیا تو میرے باپ نے گھر میں آنے نہ دیا، میری اس للّی کو میری گود میں دے کر کہا " اب اس گھر میں قدم مت رکھنا، اپنے اسی خدا کے پاس جاؤ، جسے تم پہچانتے بھی نہیں "۔

جوان! سچ جانو، مجھے بہت پیٹا گیا تھا لیکن اس مار پیٹ سے مجھے اتنا دُکھ نہیں ہوا، جتنا دکھ باپ کی اس بات سے ہوا۔ میں اپنی بیوی کی لاش لئے اور للّی کو کاندھے سے لگائے گھر سے چل دیا۔ بستی بھر میں کسی نے میری مدد نہیں کی۔ میں نے ایک صاف گڈھے میں بیوی کی لاش رکھ دی۔ اوپر سے کچھ لٹھے رکھ دیے اور جھاڑیاں لا کر اسے بند کر دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ میری سمجھ میں اس وقت یہی آیا۔ پھر میں للّی کو لیے ہوئے گاؤں گاؤں گھوما پھرا۔ میں جہاں گیا لوگوں نے مجھے ستایا۔ ہر

جگہ مجھ سے یہی پوچھا گیا کہ جب مورتیاں پوجنے کو منع کرتے ہو، ان رسموں سے روکتے ہو تو پھر بتاؤ کہ خدا کو کس طرح پوجیں اور ان رسموں کے بدلے کس طرح زندگی بسر کریں؟

جوان! میں اس بات کا جواب نہ دے سکا، میں بہت دنوں یہ سوچتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو پریشان ہو کر میں نے بستیوں میں رہنا چھوڑ دیا۔ اس جنگل میں آبسا۔ میں ہر وقت یہی سوچتا ہوں۔ اب جب میں نے تم کو دیکھا تو نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ تم وہ بات جانتے ہو جو میں نہیں جانتا۔ مجھے اس جنگل میں پندرہ سولہ سال ہو گئے۔"

یہ کہہ کر باپو خاموش ہو گیا۔ میری طرف دیکھنے لگا۔ للّی بھی مجھے تک رہی تھی۔ میں نے کہا:۔

اسلام کی تلقین

"باپو! میں تم کو بتاؤں گا۔ شاید خدا نے اسی لیے مجھے یہاں بھیج دیا۔ تم خدا کا شکر ادا کرو۔"

"جوان! میں تو یہی پوچھتا ہوں کہ خدا کا شکر کیسے ادا کروں؟" باپو نے جھٹ پوچھا۔ میں نے کہنا شروع کیا، "باپو، سُنو، بالکل ایسے ہی لوگ جیسے تم نے اپنی بستی میں دیکھے، عرب میں بھی تھے، اس وقت بھی تمھارے جیسے کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ بھی یہ سمجھ گئے تھے کہ مورتیاں پوجنا بُری بات ہے۔ خدا کو پوجنا چاہیے جس نے ہم کو پیدا کیا۔ جس نے ہمارے لیے ہوا بنائی، پانی برسایا اور ہمارے لیے طرح طرح کے پھل پھلاری اور اناج پیدا کیے۔ جس نے ہمیں جانور دیئے، ان جانوروں سے ہم کام لیتے ہیں۔ ہے نا ٹھیک بات!"

"ہاں جوان! بالکل ٹھیک، یہی میں بھی سوچتا ہوں، اچھا تو پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ خدا نے مکہ شہر میں ایک شخص کو پیدا کیا۔ وہ بچپن سے بڑا نیک اور سچا آدمی تھا۔ اس کا پیارا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدا نے اپنا فرشتہ بھیجا۔ خدا نے انؐ پر اپنی کتاب اتاری۔"

"کتاب اتاری! جوان سچ مچ!؟"

میں آپ سے بالکل سچ کہتا ہوں۔ اس کتاب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ خدا کو کیسے پوجیں اور کون سے کام کریں کہ وہ پیدا کرنے والا خوش ہو جائے۔"

"ہاں اے جوان! بس یہی بتاؤ۔"

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ خدا ایک ہی خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔ پھر بتایا کہ نماز پڑھو۔ تم نے دیکھا بابو! میں نے ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے نماز ہی تو پڑھی تھی۔ میں نے نماز میں خدا سے کہا کہ اے خدا تو ہی ہم سب کا رب ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔"

"جوان! سنو، سنو، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"بابو! ہر سمجھ دار آدمی یہی چاہتا ہے۔ اچھا تو پھر سمجھ دار آدمیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی۔ بُرے لوگوں نے نہیں مانا اور جھگڑنے لگے۔"

"اُف خدا! بُرے آدمی سچ مچ بُرے ہوتے ہیں۔ خدا اُن سے بچائے۔"

"ہاں بابو! تو پھر بُرے آدمیوں نے حضرتؐ کو بہت ستایا۔ انھیں بھی ستایا جو مسلمان ہو گئے تھے۔"

"کیا ہو گئے تھے مسلمان؟ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ جوان!"

"باپو! مسلمان اس کو کہتے ہیں جو خدا کو ایک مانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں یہ مانے کہ انھوں نے جو کچھ کہا خدا کی طرف سے کہا۔"

"اچھا تو سنو جوان! میرا دل کہتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے یہ باتیں خدا ہی کیطرف سے کہیں تو کیا میں مسلمان ہوا؟"

"بے شک!"

"اور میں بھی مسلمان ہوئی جوان! میں بھی تو یہی سمجھتی ہوں۔"

"ہاں للیؔ تم بھی مسلمان ہوئیں، اور دیکھو کیسی اچھی بات بتائی حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد اللہ سب کو پھر زندہ کرے گا۔ سب کے کاموں کی جانچ کرے گا، جس سے خوش ہوگا اسے جنت دے گا اور بُرے لوگوں کو جہنم میں جھونک دے گا۔ پورا پورا بدلہ ملے گا سب کو۔"

"جوان! مجھے بھی بدلہ ملے گا نا!"

"بے شک آپ کو اچھا بدلہ ملے گا۔"

"واہ! کیسی سچی بات کہی تم نے جوان! اس دنیا میں تو اچھوں کے لیے بڑی آزمائش ہے۔ اچھا ہاں! اب یہ بتاؤ کہ جس کتاب کے بارے میں تم نے بتایا کہ خدا نے اُسے اتارا، وہ کہاں ہے؟"

"وہ کتاب میرے دل میں ہے باپو!"

"یعنی تم کو یاد ہے سب؟"

"ہاں باپو!"

"اچھا تو سُناؤ۔"

میں نے باپو کو جگہ جگہ سے قرآن سُنایا، اس کا مطلب سمجھایا۔ باپو اور للیؔ

دونوں بہت خوش ہوئے۔ وہ روز مجھ سے قرآن سنتے، جو سنتے اس پر عمل کرتے
اس طرح ہم تینوں جنگل میں رہتے رہے۔ ایک دن میں نے کہا "باپو! یہاں جنگل
میں کب تک پڑے رہو گے، آؤ چلیں بستی بستی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی لائی ہوئی بات لوگوں کو سنائیں۔"

"نہ جوان! مت جاؤ، بُرے لوگ ستائیں گے۔"

"باپو! ایک بات اور بتاؤں۔ لوگوں کے ستانے سے مت گھبراؤ۔ اگر
اس کام میں ہم مار بھی ڈالے جائیں تو یہ سودا سستا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

یہ پوچھنے پر میں نے قرآن کی وہ آیتیں سنائیں اور سمجھائیں جن میں شہیدوں
کے لیے خوش خبری ہے اور یہ ہے کہ ایسے لوگ بے حساب کتاب جنّت میں
داخل کیے جائیں گے۔"

یہ خوش خبری سننا تھی کہ باپو بہت خوش ہوا۔ للّی بھی خوش ہو گئی اور اب ہم سب
جنگل سے بستی کی طرف جانے کے لیے سامان کرنے لگے۔ پھر ایک دن باپو نے
مجھے اور للّی کو ساتھ لیا۔ راستے وہ جانتا ہی تھا۔ سب کو لے کر ایک طرف چل دیا۔

ایک راجہ

باپو کے ساتھ ہم دونوں دن بھر چلتے رہے۔ شام کو ایک جگہ ٹھہرے
باپو نے بتایا کہ اللہ نے چاہا تو ہم کل صبح کے وقت جنگل پار کر لیں گے۔ یہ سن کر میں
بہت خوش ہوا، للّی بھی خوش ہوئی۔ صبح ہوئی تو پھر چلے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے
تھے کہ ایک درخت کے نیچے ایک شخص کو بے ہوش پڑا دیکھا —— ہم جھٹ
اس کے پاس گئے ہم نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اس کے ہونٹوں

پانی ٹپکایا - کچھ دیر کے بعد اس نے مُنہ کھول دیا - ہم نے اُسے پانی پلایا - اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہمیں دیکھنے لگا - پھر ہم نے اسے سہارا دے کر بٹھایا - میں نے کہا :-

" شاید آپ بھوکے پیاسے ہیں " وہ کچھ نہ بولا - للّی نے جھٹ اپنی ڈلیا سے کچھ پھل نکالے - انھیں کاٹا - اس آدمی کو کھلایا - ہم سب نے بھی کھایا - کچھ کھا پی کر وہ شخص مسکرایا - اب ہم نے اس کا حال پوچھا تو وہ اپنی کتھا اس طرح سُنانے لگا :-

" اے آنے والو ! میں اس دیس کا راجہ ہوں - پرسوں میں اپنے لاؤ لشکر کو لے کر اس جنگل میں شکار کھیلنے آیا تھا - میں نے ایک جگہ دیکھا ایک اپاہج لومڑی پڑی تھی - وہ گہرے گڈھے میں تھی اور اس سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی تھی - اسے دیکھ کر اچانک میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس گڈھے میں اسے کھانا کہاں سے مل سکے گا - میں یہی سوچتا ہوا آگے بڑھ گیا - ایک اونچی جگہ بیٹھ گیا - میری نظر گڈھے پر رہی - میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر میں جنگل سے ایک شیر نکلا - اس کے منہ میں ایک ہرن دبا ہوا تھا - شیر نے ایک جگہ ہرن کو کھانا شروع کیا - جب اس کا پیٹ بھر گیا تو اس نے باقی حصہ اٹھا کر پھینک دیا - وہ گرا جاکر لومڑی کے گڈھے میں - یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ خدا سب کو روزی دینے والا ہے - وہ راجہ کو بھی دیتا ہے جو دن رات راج کاج کے چکّر میں جان کھپاتا ہے - دشمنوں سے لڑتا ہے - ہر وقت ایک کھٹکے میں رہتا ہے - اور مجبور اور لاچار لوگوں کو بھی خدا ہی روزی پہنچاتا ہے - آخر اس نے اس لومڑی کو اس کی روزی پہنچا دی -

میں نے یہی بات اپنے لشکر کے لوگوں سے کہی - اس کے بعد میں نے کہا جب یہ بات ٹھیک ہے تو پھر دنیا کے جھنجھٹوں اور زندگی کے جھمیلوں میں پھنسنے سے فائدہ ! کیوں نہ چپکے سے ایک کونے میں بیٹھ جاؤں - خدا تو روزی پہنچانے والا ہی ہے تو اے آنے والے بھائیو ! میں نے لشکریوں سے کہا ، تم سب جاؤ ، اب

میں یہیں جنگل میں رہوں گا۔ اب میں راج کاج کے جھگڑوں میں جان نہیں کھپاؤں گا۔ لوگ مجھے سمجھانے لگے۔ میں نہیں مانا۔ سب کو واپس کر دیا۔ اکیلا اس پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا اور خدا کو یاد کرنے لگا۔ شام ہو گئی لیکن خدا نے میرے لیے روزی نہیں بھیجی۔ میں نے سوچا شاید خدا میرا امتحان لے رہا ہے۔ میں بھوکا ہی پڑا رہا۔ صبح کو مجھے بڑی بھوک لگی تھی۔ میرا خیال تھا کہ آج ساری دنیا کا خدا روزی ضرور بھیجے گا۔ کل کا دن بھی بیت گیا۔ تم جانو! میں راجہ آدمی، میں بھوک کو کیا جانوں۔ اب جو بھوک لگی تو میں پریشان ہونے لگا لیکن اپنی بات پر اَڑا رہا۔ مجھے پورا پورا یقین تھا کہ خدا ضرور روزی بھیجے گا۔ وہ میرا امتحان لے رہا ہے۔ آخر آج جب میں بھوک کے مارے بے ہوش ہو گیا تو خدا نے تم کو بھیج دیا اور اس طرح میری روزی مجھے مل گئی۔ کتنی ٹھیک ہے میری بات! تو پھر میں زندگی کے جھمیلوں میں کیوں پھنسوں۔ کیوں بھائیو، میں نے ٹھیک کیا نا!" راجہ نے بات ختم کرتے کرتے ہم سے پوچھا تو للّی جھٹ بول پڑی "بالکل غلط کیا آپ نے راجہ صاحب!"

"وہ کیسے؟" راجہ للّی کی طرف دیکھنے لگا۔ ہم سب لوگ بھی للّی کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں للّی اس کی بات کا کیا جواب دیتی ہے۔ للّی نے کہا :۔

"راجہ ہو کر آپ سے یہ نہ ہوا کہ شیر کی طرح زندگی بسر کرتے۔ جس طرح شیر نے شکار کر کے لومڑی تک کھانا پہنچایا، اسی طرح خود دوسروں کو کھانا کھلاتے، الٹے لومڑی بن گئے، اپاہج لومڑی اور دوسروں کی کمائی کی طرف دیکھنے لگے۔"

"ارے!" ہم سب للّی کی بات پر چونک پڑے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ للّی نے بات تو جچی تلی اور بالکل ٹھیک کہی لیکن ذرا تیکھے پن سے کہا۔ میں راجہ کو دیکھنے لگا۔ راجہ للّی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دیر تک دیکھتا رہا۔ ہم سب چپ تھے۔ کچھ دیر کے بعد راجہ نے سر جھکا لیا پھر کچھ سوچ کر بولا :۔

"لڑکی! تو نے بالکل ٹھیک کہا۔ اس میں شک نہیں کہ روزی تو ملے گی ہی لیکن ہم سے جہاں تک ہو سکے، دوسروں کو فائدہ پہنچائیں نہ کہ لومڑی کی طرح اپاہج ہو کر رہ جائیں۔" للّی کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے روک دیا میں نے سوچا للّی الھڑ ہے پھر جنگلی بھی۔ نہ جانے کیا کہہ دے۔ میرا اشارہ پاکر وہ خاموش رہی۔ اب میں نے کہا:-

راجہ کا مُسلمان ہونا

"راجہ صاحب! خدا نے ہمیں انسانوں کے اندر پیدا کیا۔ ہمیں انسانوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیئے۔ اُن کے دُکھ درد میں شریک ہونا چاہیئے۔ یہی انسانیت ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ دنیا کو چھوڑ دیں۔ سب سے الگ تھلگ رہیں۔ ہمیں دنیا ہی میں رہ کر دین کا کام کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ اسی طرح خوش ہوگا۔"

راجہ میری بات سُن کر بولا "اے جوان! تم نے کیا بات کہی؟ دنیا میں رہ کر ہم کس طرح خدا کو خوش کر سکتے ہیں جبکہ زندگی میں نہ جانے کتنی رکاوٹیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ کبھی کبھی ہمارا اپاپی من ہم سے کہتا ہے کہ ہم دوسرے کا مال چھین لیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے کہنے سُننے سے دوسروں کو ستانا پڑتا ہے پھر لڑائیاں چھڑتی ہیں تو پھر ہمارا یہ پاپی من ہی سب سے پہلے ہمیں بُرائیوں پر ابھارتا ہے پھر دنیا کے بُرے لوگ ہیں کہ ان کی وجہ سے ہم سے بُرائیاں ہو جاتی ہیں۔"

"راجہ صاحب! مرد کا کام یہی ہے کہ ہر اُس طاقت کو ٹھکرا دے جو بُرائی کی طرف لے جانے والی ہو۔"

میں نے یہ کہا تو للّی بول پڑی "جوان! تم نے تو ہمیں یہ بتایا تھا کہ یہ کام تو مسلمان کا ہے۔ اگر مسلمان اپنے پاپی من کا کہنا نہ مانے، بڑوں کا کہنا نہ مانے بلکہ اللہ کے حکموں پر

چلے تو اللہ اسے جنت دے گا۔ تو یہ تو مسلمان ہی کر سکتا ہے۔"

"للّی! تم ٹھیک کہتی ہو لیکن راجہ صاحب مسلمان تو ہیں نہیں اسی لیئے میں نے راجہ صاحب کو اس طرح سمجھایا۔"

راجہ نے میری اور للّی کی بات بڑے دھیان سے سُنی پھر بولا "یہ مسلمان کی بات کیسی۔ بتاؤ تو مسلمان کیا کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے؟"

راجہ نے یہ جو پوچھا تو میں نے جس طرح جنگل میں باپو کو اسلام کے بارے میں سمجھایا تھا اسی طرح راجہ سے کہا۔ بات سچی اور صاف تھی۔ پوری بات راجہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے ہم سب بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد راجہ اٹھا۔ اس نے ہم سب سے کہا "آپ لوگ میرے ساتھ راجدھانی چلیں اور یہی بات سب کو سمجھائیں۔"

راجہ کی بات سُن کر میں خوش ہوا، مجھ سے زیادہ باپو خوش ہو گیا۔ اس نے کہا "راجہ کو خدا اچھے کاموں کی توفیق دے، ہم ضرور راجدھانی چلیں گے، اللہ کے دین کو پھیلائیں گے اور اللہ کا دین پھیلانے ہی میں اپنی جان کھپائیں گے۔ اگر ہم نے ایسا کر لیا تو اللہ ہمیں اپنی رضا کے گھر (جنّت) میں جگہ دے گا۔"

راجہ ہمیں لے کر راجدھانی کی طرف چلا۔ راستے میں اس نے ہم سے کہا، راجدھانی یہاں سے دور ہے، زیادہ اچھا ہے کہ آپ لوگ اپنا اپنا حال کہتے چلیں۔ اس طرح راستہ آسانی سے کٹے گا۔"

میں نے اپنا حال بتایا کہ میں ایک عرب سیّاح ہوں۔ دنیا کی سیر کرنے گھر سے نکلا اور گھومتا پھرتا اس جنگل میں آنکلا۔ میں نے اپنے سفر کے بہت سے حالات راجہ کو سُنائے۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ پھر باپو نے اپنی آپ بیتی سُنائی۔ باپو کی آپ بیتی سُن کر راجہ پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے کہا "باپو! خدا تم کو اس کا اچھا بدلہ دے۔"

" اور مجھے " للّی اچانک بول پڑی اور ہم سب ہنسنے لگے۔

" تمھیں بھی " راجہ نے کہا۔

اس طرح چلتے چلتے ہم سب راجدھانی پہنچے۔ وہاں لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ راجہ واپس آگیا تو وہ سب خوش ہو گئے۔ ہاتھوں ہاتھ ہم سب کو لیا۔ راجہ ہم سب کو لے کر محل میں چلا گیا۔

اس نے ہم سب کے لئے الگ الگ کمرے دے دیئے۔ ہر کمرے میں ضرورت کا سامان بھیج دیا۔ ہماری خدمت کے لئے نوکر چاکر مقرر کر دیئے۔ راجہ دن بھر تو راج کاج کے کاموں میں پھنسا رہتا، رات کو دو تین گھنٹے ہمارے پاس گزارتا اور اسلام کے بارے میں پوچھا کرتا۔

للّی کی شادی

میں راجہ کے ساتھ کچھ دنوں اس کی راجدھانی میں رہا۔ راجہ نے سمجھا بجھا کر بہت سے لوگوں کو مسلمان بنا لیا لیکن اس کا وزیر اس کا دشمن ہو گیا۔ وہ راجہ سے ناراض ہو کر دوسرے راج میں چلا گیا اور وہاں کے راجہ کو اکسایا کہ مسلمان ہونے والے راجہ پر چڑھائی کر دے۔ پھر وہ اسے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ چڑھا لایا۔ مسلمان راجہ نے بھی اپنی فوج کو ساتھ لیا۔ میں بھی اس کے لشکر کے ساتھ تھا، باپو بھی ساتھ تھا اور للّی بھی بلّم لیے لڑنے مرنے کو تیار رہتی۔

راجدھانی کے باہر بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ راجہ بڑی بہادری سے لڑا۔ باپو کو شہادت کا شوق تھا۔ وہ تو بڑی ہی بے جگری سے لڑا۔ للّی بھی تڑپ تڑپ کر لڑ رہی تھی۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ دشمن کے سپاہیوں نے پیچھے سے راجہ پر حملہ کر دیا۔ دشمن کا ایک سپاہی راجہ کے بالکل پیچھے آگیا۔ وہ پیچھے سے حملہ کرنا ہی چاہتا

تھا کہ للّی نے دیکھ لیا۔ وہ جھپٹ کر آئی اور اس نے بلّم دشمن سپاہی کی پیٹھ میں بھونک دیا۔ سپاہی بے دم ہو کر گرا، راجہ نے مڑ کر دیکھا۔ للّی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ اس نے للّی کی پیٹھ ٹھونکی اور پھر بڑھ کر لڑنے لگا۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو دشمن ہار کر بھاگا۔ اس لڑائی میں مسلمان راجہ کی جیت تو ہوئی لیکن ہمارا باپو کسی کے بلّم سے شہید ہو گیا۔ باپو کی شہادت کا ہمیں بڑا افسوس ہوا مگر للّی نے سمجھایا "جوان! اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔ باپو تو شہید ہوئے۔ اب وہ بے حساب کتاب جنت میں جائیں گے یہی تو وہ چاہتے تھے۔ تو آؤ جوان! اللہ سے دعا کریں۔

ہم سب نے باپو کے لئے دعا کی۔ اس کے بعد تیسرے دن راجہ نے مجھ سے رائے لے کر للّی سے شادی کر لی۔ میں بہت خوش ہوا۔ میں کچھ دن اور راجہ کے یہاں رہا۔ اس کے بعد جیسی کہ میری عادت تھی، سیر کو نکل کھڑا ہوا۔ راجہ اور للّی دونوں دور تک میرے ساتھ آئے پھر لوٹ گئے۔ میں نے ان کے لیے دعا کی کہ خدا انھیں اسلام پہ قائم اور خوش و خرم رکھے۔ (آمین)

کردار کی تاثیر

- ڈاکوؤں کا سامنا
- ڈاکوؤں کی توبہ
- پہنچنا ایک شہر میں
- انسان کا مقام
- بھینٹ چڑھنا
- جانا ایک جزیرے میں
- رنگے سیار
- راجہ اور رعایا کا مسلمان ہونا

ہمارا ابن بطوطہ اپنے سفر نامے میں ایک جگہ اپنی ایسی آپ بیتی لکھتا ہے جسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکوؤں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور انھیں قاعدے سے سمجھایا جائے تو وہ بھی نیک آدمی بن سکتے ہیں۔ ہمارے ابن بطوطہ کی یہ آپ بیتی بڑی مزے دار ہے اور اس میں ہمارے لیے بڑی نصیحت ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

ڈاکوؤں کا سامنا

میں ایک بار ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ میں نے جنگل کے کنارے ایک بوڑھیا کو دیکھا۔ وہ بیٹھی بھیک مانگ رہی تھی۔ وہ صدا لگا رہی تھی "بھگوان بھلا کرے بھگوان بھاگوان کرے۔" مجھے اس بوڑھیا پر ترس آیا۔ میں نے اسے اپنی چادر دیدی کچھ پیسے بھی دیئے، چادر اور پیسے پاکر بوڑھیا زور زور سے پکارنے لگی "بھگوان بھلا کرے، بھگوان بھاگوان کرے"۔ میں آگے بڑھ گیا اور جنگل میں داخل ہوگیا۔ بوڑھیا ابھی تک اسی طرح چیخے جارہی تھی۔ میں تھوڑی ہی دور اور چلا تھا کہ اچانک ایک طرف سے سات ڈاکو آگئے۔ اُن کے ہاتھوں میں بھالے تھے۔ انھوں نے مجھے گھیر لیا۔ میرے منہ میں روئی ٹھونس دی اور میرا سامان لوٹ لیا پھر مجھے رسّیوں سے جکڑ کر ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس کنوئیں میں پانی نہیں تھا۔ کنوئیں میں گرنے سے کچھ

چوٹ بھی آئی۔ میں بہت پریشان ہوا کہ کنویں سے کس طرح نکل سکوں گا۔ اگر اسی طرح بندھا پڑا رہا تو بھوکوں مر جاؤں گا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ میں اللہ سے دعا کرنے لگا "اے اللہ تو بڑا مہربان ہے، تیرا بڑا احسان ہے۔ اے اللہ! مجھے اس نئی مصیبت سے بچالے۔ اس اندھے کنویں سے نجات دے!"

یہ دعا کرتے وقت مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ یاد آیا۔ میں سوچنے لگا اسی طرح ان کو بھی کنویں میں ڈالا گیا تھا۔ انھوں نے صبر سے کام لیا تو اللہ نے اپنی مہربانی فرمائی، ان کو کنویں سے نکالا اور پھر انھیں مصر میں بڑی عزت دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ یاد آیا تو مجھے بڑی ڈھارس بندھی۔ دل ہی دل میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگا اور رسیوں سے چھٹکارا پانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ کنویں میں پتھروں کے ٹکڑے بھی پڑے تھے۔ ان میں میں نے ایک پتھر کو اس طرح ٹوٹا ہوا دیکھا کہ اس کا ایک طرف کا ٹوٹا ہوا حصہ کچھ دھار دار تھا۔ میں ہاتھوں پر بندھی رسی کو پتھر کی ـــــ دھار سے رگڑنے لگا۔ دیر تو لگی لیکن بار بار رگڑنے سے رسی کٹ گئی۔ رسی کٹ جانے سے میں بہت خوش ہوا۔ اب میرے ہاتھ چھوٹ چکے تھے میں نے ہاتھوں سے جلدی جلدی سارے بدن کی رسیوں کو کھولا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب یہ سوچنے لگا کہ کنویں سے کیسے نکلوں؟ میں نے ایک تدبیر سوچی۔ میں کنویں میں پڑے ہوئے پتھروں کو کنویں کی دیوار کے برابر چننے لگا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں اس طرح تلے اوپر پتھر رکھ کر اونچا کرلوں گا پھر کسی طرح اچک جاؤں گا۔ پتھروں کو اکھاڑنے سے اس میں گڈھا ہونے لگا۔ کچھ اور گڈھا ہوا تو اچانک ایک لوٹا نکلا۔ اس لوٹے میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے اشرفیوں سے بھرا لوٹا دیکھا تو مسکرایا۔ اب میں اپنا تہمد کھولا۔ اسے لمبائی سے پھاڑا۔ ایک حصہ خود باندھ لیا، دوسرے حصے سے لوٹے کو باندھا۔ اس کے بعد پتھروں کو تلے اوپر چن کر اتنا اونچا کرلیا کہ آسانی کے

ساتھ کنوئیں سے نکل آیا اور لوٹے کو کھینچ لیا۔ میں اشرفیاں لیے ہوئے بوڑھیا کے پاس گیا۔ میں نے بوڑھیا کو ایک اشرفی دی اور پھر جنگل کے اندر چلنے لگا۔ بوڑھیا اشرفی پاکر گلے کی پوری طاقت سے چیخنے لگی " بھگوان بھلا کرے، بھگوان بھلا کرے"۔ بوڑھیا کی یہ آواز سنتے ہی وہ ساتوں ڈاکو جنگل سے نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں بھالے تھے۔ انھوں نے مجھے گھیر لیا۔ مجھے پہچانا بھی۔ انھیں بڑا تعجب ہوا۔ ان سے ڈرنے کے بدلے مسکرانے لگا۔ میں نے ان سے کہا :۔

" بھائیو! دیکھو، نہ تم مجھے جانتے ہو اور نہ میں تم کو جانتا ہوں۔ نہ تم میرے دشمن نہ میں تمھارا دشمن۔ دیکھو مجھے نہ تو رسیّوں سے باندھنا اور نہ مارنا پیٹنا۔ تم کو تو مال چاہیئے تو لو۔ میں تمھارے لیے بہت بڑی رقم لایا ہوں۔ میں تم کو ساری رقم دے دوں گا لیکن تم مجھے ایک بات بتادو؟"

"کیا؟" سارے ڈاکو ایک ساتھ بولے اور انھوں نے اپنے بھالوں کی نوک میری طرف سے ہٹالی۔

"تم مسافروں کو کیوں لوٹتے ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ یہ برا کام ہے؟"

ڈاکوؤں کی توبہ

ڈاکو سوچ میں پڑ گئے۔ میں نے کہا " دیکھو بھائیو! لوٹ مار بڑا برا کام ہے لوٹ مار کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ حلال کمائی کو بہت پسند کرتا ہے، حلال کمائی کھانے والے کی دعا قبول کرتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم سب غریب ہو اور کام کرنے سے جی چراتے ہو۔ پیارے بھائیو! بڑے دکھ کی بات ہے کہ تم سب ہٹے کٹے اور جوان ہو۔ بڑے سے بڑے کام کر سکتے ہو اور زیادہ سے زیادہ کما کر آرام کے ساتھ

زندگی بسر کر سکتے ہو۔ حلال کمائی کھا کر اللہ کو خوش کر سکتے ہو۔ دیکھو اللہ نے تم پر بڑی مہربانی فرمائی ہے۔ مجھے تمھارے پاس بھیج دیا۔ یہ دیکھو میں تمھارے لئے اشرفیاں لایا ہوں۔ لو اور توبہ کرو کہ آج سے ڈاکہ نہ ڈالو گے۔ تم ان اشرفیوں سے تجارت کرو۔ تجارت میں سچائی سے کام لو گے تو اللہ برکت کرے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے اشرفیاں ان کے آگے ڈال دیں۔ اشرفیاں دیکھ کر ڈاکو ہکا بکّا رہ گئے۔ تھوڑی دیر چپ کھڑے رہے پھر بولے "یہ اشرفیاں آپ کو کہاں سے ملیں؟" میں نے جواب دیا "پیارے بھائیو! اللہ بڑا مہربان ہے۔ اگر اسے یاد رکھو، اس کے حکموں پر چلو، سچ بولو اور حرام باتوں سے بچو تو وہ اسی طرح مدد کرتا ہے۔ اپنے بندوں کو ایسی راہوں سے دیتا ہے کہ بندے سوچ بھی نہیں سکتے۔ تم نے مجھے لوٹا، مجھے رسیوں سے جکڑا، اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ دیکھنے میں تو میں ایک مصیبت میں پھنس گیا لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔ کنویں میں اللہ کا نام لیا۔ اس سے دعا کی۔ اللہ نے مجھے کنویں سے چھٹکارا دے دیا۔ اسی میں مجھے اشرفیوں کا لوٹا بھی ملا۔ میں نے سوچا کہ تم کو رقم کی ضرورت ہے اگر تم اچھی خاصی رقم پا جاؤ گے تو پھر ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دو گے۔ اسی لئے میں پھر تمھاری طرف آیا۔ میں نے جیسا سوچا تھا وہ ٹھیک نکلا۔"

یہ کہہ کر میں چپ ہو گیا۔ ان کے چہروں کو دیکھنے لگا۔ ان کے چہروں پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ اچانک وہ سب میرے قدموں پر گر پڑے اور توبہ کر کے رونے لگے۔ میں نے ڈھارس بندھائی اور کہا "اللہ بڑا ہی مہربان ہے۔ وہ توبہ کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ اللہ تم کو ضرور معاف کر دے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا اور ہاں یہ تو بتاؤ وہ بوڑھیا کون ہے؟"

"وہ ہماری ماں ہے۔" ڈاکوؤں نے بتایا۔ اسی نے ہمیں پہلے چوری سکھائی جب ہم چھوٹے تھے تو اس کے کہنے سے لوگوں کے گھروں میں چپکے سے گھس جاتے

اور آنکھ بچا کر چیزیں چرا لاتے۔ چوری کرتے کرتے آج ہم ڈاکو ہو گئے۔ اب ہم سب سے پہلا کام یہ ہی کریں گے کہ اپنی ماں کو قتل کر دیں گے۔"

"نہ نہ" میں نے ڈاکوؤں کو سمجھایا۔ "دیکھو! جس طرح میرے سمجھانے سے بات تمھاری سمجھ میں آگئی، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تمھاری ماں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اب تم جاؤ، اپنی ماں کو سمجھاؤ۔ اللہ سے دعا بھی کرو۔"

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے۔"

میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ وہ سب بوڑھیا کے پاس گئے۔ بوڑھیا ان کے ساتھ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کے بیٹوں نے اسے سارا قصہ سُنایا پھر اپنی توبہ کا حال بیان کیا اور اس سے بھی توبہ کرنے کو کہا۔ بوڑھیا کو بھی اللہ نے توفیق دی، اس نے بھی توبہ کی۔ پھر وہ سب مجھے جنگل کے کنارے ایک پہاڑ پر لے گئے۔ پہاڑ پر ان کا مکان تھا انھوں نے مجھے ٹھہرایا۔ انھوں نے میری بڑی خاطر کی تین دن کے بعد میں نے ان سے کہا "اچھا بس اب چلا میں۔" انھوں نے پوچھا آپ کہاں جائیں گے؟" میں نے کہا "جہاں اللہ لے جائے۔ گھومنے پھرنے تو نکلا ہی ہوں۔" بوڑھیا کے ساتوں بیٹوں نے کہا "دو چار دن اور رُکیے۔ ہم نے سوچا ہے کہ ہم اس مکان کو چھوڑ دیں شہر میں جا کر رہیں بسیں اور کوئی روزگار کر کے حلال کمائی کھائیں۔ ہم نے لوٹ کا سامان الگ کر دیا ہے۔ یہ سارا سامان ہم خیرات کر دیں گے۔"

"شاباش! بہت اچھا سوچا تم نے!" میں نے ان کی ہمّت بڑھائی۔

دو تین دن اور ان کے ساتھ رہا۔ پھر جب وہ اپنا سامان لے کر شہر کی طرف چلے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا کہ دیکھوں کس شہر میں یہ لوگ جاتے ہیں اور وہ کیسا شہر ہے۔ آخر گھوم پھر کر میں یہی تو دیکھنا چاہتا تھا۔

ایک راجہ سے ملاقات

آگے چل کر ہمارا ابن بطوطہ ایک انوکھا نرالا واقعہ لکھتا ہے۔ اس واقعے کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بڑا مضبوط تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اسے کچھ موقع ملا، اس نے دوسروں تک اللہ کا دین پہنچانے میں کمی نہیں کی۔ اللہ نے بھی اس کی مدد کی۔ اب آپ ذرا اس واقعہ کو پڑھیے اور دیکھیے کہ شہر پہنچ کر کیا پیش آیا وہاں ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے ایمان کی مضبوطی کا کیا ثبوت دیا اور پھر اللہ نے اس شہر پر کیا رحمت نازل فرمائی۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

"یہ ملک بڑا ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب ہے۔ یہاں بڑے بڑے میدان ہیں۔ یہاں کی زمین بڑی اچھی ہے اور اس پر بڑی آسانی سے کھیتی ہوتی ہے۔ یہاں زیادہ تر کسان بستے ہیں۔ پانی کافی برستا ہے۔ غلہ خوب پیدا ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہاں کے رہنے والے اپنے سچے مالک کو نہیں پہچانتے وہ خدا کو مانتے اور اس کا نام تو لیتے ہیں لیکن ساتھ ہی دیوی دیوتاؤں کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ کھیت بوتے وقت وہ دیوتاؤں سے لو لگاتے ہیں۔ کھیتی بو کر وہ دیوی دیوتاؤں سے پانی مانگتے ہیں۔ بجلی کڑکتی ہے تو وہ اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ بادل کی گرج سن کر اس کی طرف ہاتھ جوڑتے ہیں۔ ندیوں میں بہیا آتی ہے تو ندیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ افسوس کہ یہاں کے لوگ شرک میں پھنسے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے

ہیں۔ اس دنیا میں بھی پریشان ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے کھاٹا ہی گھاٹا ہے لیکن کوئی اللہ کا بندہ اگر ان کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو بڑی آسانی کے ساتھ یہاں کے لوگ مورتی پوجا اور دیوی دیوتاؤں اور طرح طرح کے وہموں سے نکل سکتے ہیں، شرک سے بچ سکتے ہیں اور ایک خدا کے ماننے والے ہو سکتے ہیں۔"

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "مجھے شہر پہنچ کر ایسا ہی تجربہ ہوا۔ ہوا یہ کہ جب میں اپنے نئے دوستوں کے ساتھ شہر میں پہنچا تو شہر میں بڑی ہل چل مچی دیکھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شہر کے آس پاس دُور دُور تک بہت دنوں سے پانی نہیں برسا، کھیت سوکھے جا رہے ہیں اور سوکھا پڑ جانے کا ڈر ہے۔ پنڈتوں نے بتایا ہے کہ پانی کا دیوتا میگھ راج ناراض ہو گیا ہے جب تک وہ ایک سُندر اور کنواری کنیا کی بھینٹ نہ لے گا، خوش نہ ہو گا۔ آج شہر کی سب سے سُندر اور کنواری کنیا کھوج نکالی گئی پر وہ نکلی یہاں کے راجہ کی بیٹی۔ راجہ بہت پریشان ہے۔ وہ پنڈتوں سے کہتا ہے کہ میگھ راج کو منائیں اور اس بات پر راضی کریں کہ اس ایک کنیا کے بدلے سو کنیائیں بھینٹ لے لے لیکن پنڈتوں کا کہنا ہے کہ دیوتا راضی نہیں ہوتا۔

یہ سُن کر مجھے بڑا دُکھ ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سیدھے راجہ کے پاس چلو، مجھے راجہ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔ میرے ساتھی مجھے راجہ کے پاس لے گئے اور انھوں نے راجہ سے میرا حال کہا اور کہا کہ ہمارا یہ پردیسی بھائی آپ سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنے والا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آج کل آپ جس فکر میں ہیں، اس سے باتیں کرنے کے بعد آپ کی وہ فکر دور ہو جائیگی۔

راجہ یہ سُن کر اسی وقت ملنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے ایک مکان میں مجھ سے ملنے کا انتظام کیا اور حکم دے دیا کہ اس مکان کے آس پاس چڑیا

تک نہ آنے پائے ۔ اس کے بعد وہ مجھ کو لے کر اس مکان میں گیا ۔ میں نے اس سے کہا " میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی بیٹی کو بھی یہیں بلا لیں کیونکہ میں اسی کے بارے میں بات کروں گا ۔ وہ نہ ہو گی تو کام نہ بنے گا ۔"

راجہ نے بیٹی کو بھی وہیں بلا لیا ۔ ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہ نہایت خوبصورت لڑکی تھی ۔ اس کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی اور وہ بڑی ہی بھولی بھالی اور سیدھی لڑکی تھی ۔ میں نے اسے دیکھا تو میری زبان سے " ماشاءاللہ " نکلا ۔

" تو فرمائیے ، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ؟ " راجہ کی آواز سن کر میں چونکا میں نے راجہ سے کہا ۔

انسان کا مقام

" راجہ صاحب ! پہلے آپ میری ایک بات سن لیجئے ۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اس سارے سنسار میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب انسان کے فائدے کے لئے ہیں ۔ زمین پر انسان رہتا بستا ہے ، پانی کو اپنے کام میں لاتا ہے ، پھول پھل پودے ، پیڑ اور ترکاریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔ زمین کے اندر جو کچھ ہے سونا چاندی ، لوہا وغیرہ بھی انسان نکالتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے استعمال کرتا ہے ۔ اسی طرح چڑیاں اور جانور بھی انسان ہی کے کام کے لئے ہیں ۔ یوں کہنا چاہیئے کہ دنیا میں جو چیز ہے ، ہر چیز سے انسان کا مرتبہ بڑا ہے اور ہر چیز انسان کی خدمت کے لئے ہے ۔ انسان ان ساری چیزوں کا مالک ہے اور یہ سب اس کے نوکر ہیں ۔ کیا انسان کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے سے کم درجہ چیزوں کے آگے سر جھکائے ۔ ان سے ڈرے ، انھیں دیوتا سمجھ کر پوجے ؟ "

میں اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ راجہ چونکا "ہائیں یہ آپ نے کیا کہا؟" اس کی زبان سے نکلا۔ اس کی بیٹی میری تقریر بڑے دھیان سے سُن رہی تھی۔ بولی "پتاجی! نوجوان نے بالکل ٹھیک بات کہی۔ اس کا کہنا ہے کہ بھگوان نے منش جاتی کو سنسار کی ساری وستوؤں سے بڑا بنایا ہے اسلئے انسان کو چاہیئے کہ ان وستوؤں کو اپنے کام میں لائے نہ کہ ان کی پوجا کرے۔"

میں لڑکی کی یہ بات سُن کر بہت خوش ہوا۔ کس قدر سمجھ دار تھی وہ لڑکی۔ کتنی جلدی اس نے میری بات سمجھ لی۔ وہ اپنی بات کہہ کر باپ کو دیکھنے لگی۔ میں بھی راجہ کی طرف دیکھنے لگا۔ راجہ کسی سوچ میں تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ سوچتا رہا اس کو سوچتے سوچتے کئی منٹ ہوگئے۔ اب لڑکی نے پھر کہا:

"پتاجی!"

"ہاں میری پتّری!"

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس نوجوان نے بات تو ٹھیک کہی لیکن اگر ہم اس
ی بات مان لیں تو ہمیں ان سارے دیوی دیوتاؤں کی پوجا سے انکار کرنا پڑے گا جنھیں ہم
ور ہمارے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں۔ ڈر ہے کہ جل دیوتا میگھ راج بالکل ہی
اراض ہوجائے اور پھر کبھی برکھا ہی نہ ہو۔"

راجہ سے یہ سُنا تو میری زبان سے "اُف اللہ" نکلا۔ میں نے کہا "راجہ صاحب!
ب میگھ راج سے بالکل نہ ڈریں۔ جس خدا نے انسان کو ساری چیزوں سے بڑھ کر بنایا
سی کے بس میں پانی برسانا بھی ہے۔ وہی تو سب کا مالک ہے، یہ تو ہم انسانوں نے
نی نادانی سے اپنے اور خدا کے درمیان دیوی دیوتاؤں کا پاکھنڈ کھڑا کر رکھا ہے۔"

"نوجوان پردیسی! سنبھل کر بات کرو۔" راجہ کی آواز ذرا تیز ہوگئی اور

وہ دیوتاؤں کے ڈر سے کانپنے لگا لیکن لڑکی بولی "پتا جی! اس نوجوان کا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ جو پرمیشور ہر چیز کا سوامی ہے وہی پانی کا بھی سوامی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسی پرم پرمیشور کو مانیں، اسی سے ڈریں اور کسی سے نہ ڈریں۔ کیوں یہی تو مطلب ہے نوجوان بھائی!"

راجہ سے بات کہتے کہتے راج کنیا نے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا "ہاں! میرا یہی مطلب ہے۔" اب راجہ نے بیٹی کو کسی قدر غصّے سے دیکھا۔ بولا:

"پیاری پتری! ایسا جان پڑتا ہے کہ تیرا وشواس پہلے سے دیوی دیوتاؤں پر نہیں تھا اسی لئے تو خطرے میں پڑی۔ میگھ راج تیری بھینٹ لینے پر اڑ گیا۔" یہ کہتے کہتے راجہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ راج کنیا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہ آنسو بھرے نینوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ وہ چپ تھی مگر میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ وہ یہی کہنا چاہتی تھی کہ بات تو تمھاری ٹھیک ہے پر راجہ کو کیسے سمجھایا جائے؟

میں نے دل میں خدا کو یاد کیا اور پھر کہا "راجہ صاحب! میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مالک صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ جسے آپ کسی اچھے نام سے یاد کریں۔ اس کے سوا سب بے بس ہیں۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ان لوگوں کا پول کھول سکتا ہوں جو خدا اور بندے کے درمیان اپنی چالاکی سے آ گئے اور اپنی خدائی کے ڈنکے بجا بجا کر بھولے بھالے لوگوں کو ٹھگ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" راجہ کی زبان سے نکلا اور راج کنیا بھی میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے کہا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ کچھ چالاک لوگ آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اگر آپ میری مدد کریں تو میں ان کا پول کھول سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" راجہ نے چپکے سے کہا۔ راج کنیا لمبی لمبی سانسیں لینے لگی اور پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

بھینٹ چڑھنا

میں نے کہا "پہلے آپ یہ بتائیں کہ کنواری کنیاؤں کو کس جگہ بھینٹ دی جاتی ہے؟"

"پردیسی جوان!" راجہ بتانے لگا "وہ ایک جزیرہ ہے جہاں کنواری کنیاؤں کو لے جا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر جب کنیا کے ساتھ جانے والے اُسے چھوڑ کر واپس آ جاتے ہیں تو میگھ راج اس لڑکی کو بادلوں کی طرف اٹھا لیتا ہے، پھر لڑکی کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں گئی؟"

"کیا کسی نے جزیرے میں جا کر پتہ بھی لگایا؟" میں نے پوچھا۔

"نہ، جزیرے میں ان گیارہ سادھوؤں کے سوا کوئی نہیں جا سکتا جو میگھ راج کی طرف سے وہاں دن رات پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں۔"

"وہ جزیرہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"بارہ کوس۔ سمندر تٹ (ساحل) سے بارہ کوس پر۔ ناؤ بارہ کوس پانی پر چل کر جزیرے تک پہنچتی ہے۔"

"کیا کبھی اور کوئی کنیا بھینٹ دی گئی؟"

"پردیسی جوان! قریب قریب ہر سال ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"اچھا۔ تو اب آپ یہ کریں کہ جس دن راج کماری کو بھینٹ کے لئے جزیرے میں لے جایا جائے اس سے ایک دن پہلے جزیرے میں جانے

کی اجازت مجھے دے دیں۔ پھر میں میگھ دیوتا سے نبٹ لوں گا۔"

"لیکن اگر کوئی بری نیت سے جزیرے کی طرف جائے گا تو سمندر میں ڈوب جائے گا۔"

آپ اس کی پروا نہ کریں۔ آپ تو بس اجازت دے دیں اور میرے لیے دو کشتیاں (ناؤں) کا انتظام کر دیں۔ اگر میرے اللہ نے چاہا تو میں راجکماری کو خیریت کے ساتھ واپس لے آؤں گا۔ ساتھ ہی آپ دیکھیں گے کہ کیسے کیسے رنگے سیار آپ کو ہر سال دھوکا دیتے رہے ہیں۔"

"کیا سچ مچ ایسا کر سکتے ہو؟ تم ڈرتے نہیں؟"

"میں اپنے اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"اچھا اگر تم نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ چالاک لوگوں کا دھوکا ہے تو میں تم کو منہ مانگا انعام دوں گا۔"

"میں کسی انعام کے لالچ میں نہیں بلکہ اللہ کے بندوں کو پاکھنڈ سے بچانے کے لئے یہ خدمت کروں گا۔ میرا اللہ بہت بڑا اجر دینے والا ہے اور وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے خوش ہو جائے تو سمجھیے کہ مجھے سب کچھ مل گیا۔"

"پیارے پردیسی!" اب راجہ کی زبان بالکل نرم پڑ چکی تھی، اس نے کہا "میں سب انتظام کر دوں گا۔"

"لیکن ایک کام یہ کرنا ہو گا کہ آپ کسی کو بتائیں نہیں اور رات کے وقت مجھے جزیرے کی طرف روانہ کریں۔"

"یہی ہو گا۔"

"اچھا تو اب آپ اجازت دیں۔ میرے ساتھی میرا راستہ دیکھ

رہے ہوں گے۔ مجھے اس معاملے میں ان سے مشورہ کرنا ہے۔ وہ میرے سچے ساتھی ہیں، وہ میرے ساتھ جزیرے کو جائیں گے۔"

"پیارے پردیسی! ان کو یہیں بلالو۔ تمھارے ساتھ وہ سب میرے مہمان رہیں گے۔"

"اس بات چیت کے بعد راجہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ راجکماری اس کے ساتھ ہولی راجہ کے حکم سے میرے ساتھی اس محل میں آگئے۔ میں نے ان کے سامنے پوری بات رکھی۔ انھوں نے کہا "پردیسی بھائی! بالکل نہ گھبراؤ۔ جہاں تمھارا پسینہ گرےگا وہاں ہم اپنا خون بہادیں گے۔"

ان سے یہ سُنا تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ہر وقت اس انتظار میں رہنے لگا کہ کب راجہ ہمیں جزیرے کی طرف بھیجتا ہے اور وہاں جاکر کیا کرنا ہوگا۔ ہم یہی مشورہ کرتے رہے۔

جانا ایک جزیرے میں

پھر اچانک ایک رات جب ہم سب گہری نیند میں تھے، راجہ نے آکر مجھے جگایا اور بتایا کہ کل بھینٹ کا دن ہے۔ سمندر تٹ پر دو ناؤں کا انتظام کر دیا گیا ہے اور کسی کو نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ کس کے لئے ہیں۔ تم اپنے خدا کا نام لے کر جاؤ اور دیکھو اگر تم سب زندہ لوٹے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارا دین اور دھرم قبول کرلوں گا۔ تمھاری باتیں سُن سُن کر میں نے غور کیا تو مجھے وہ سب ٹھیک معلوم ہوتی ہیں۔"

"اللہ مالک ہے" کہہ کر میں نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ راجہ سے ملایا۔ میرے ساتھیوں نے اپنے لٹھ سنبھالے، کچھ اور ضروری سامان لیا۔ انھوں

نے اپنی ماں کو جگایا اور بتایا کہ ہم سب آج ایک ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی لوٹ آئیں گے۔"

اس کے بعد جب ہم چلنے لگے تو راجہ نے ایک نہایت عمدہ تلوار مجھے دی۔ تلوار پاکر میں بہت خوش ہوا۔ بچپن میں ہم عربوں کو تیر تلوار چلانا اچھی طرح سکھایا جاتا ہے۔ بچپن کا زمانہ میرے سامنے پھر گیا۔ میں نے راجہ کو سلام کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سمدر تٹ (ساحل) کی طرف چل دیا۔ وہاں سچ مچ دو نادیں بندھی تھیں۔ ہم چار چار آدمی ایک ایک ناؤ میں بیٹھے اور چاند کی روشنی میں ناویں کھینے لگے۔ راستے میں اللہ سے دعا کرتے جا رہے تھے۔

رات ہی کے وقت جزیرے میں جا اترے۔ ایک جھاڑی میں جا کر چھپ گئے اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پو پھٹنے کے بعد ہم سب نے فجر کی نماز پڑھی اس کے بعد آگے بڑھے۔ آگے بڑھے تو جزیرے کے بیچوں بیچ ایک مندر نظر آیا۔ ہم اسی طرف چلے۔ مندر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ مندر کے چاروں طرف کمرے بنے ہیں۔ گھوم پھر کر ادھر اُدھر دیکھا تو کوئی دکھائی نہیں دیا۔ "یا اللہ! وہ گیارہ سادھو کہاں گئے؟" میری زبان سے نکلا۔ اتنے میں دور کہیں سے آواز آئی "بچاؤ، مجھے بچاؤ، بھگوان کے لئے مجھے بچاؤ۔" ہم سب آواز کی طرف دوڑ پڑے۔ دیکھا تو سادھو ایک دبلی پتلی لڑکی کو زمین میں زندہ دفن کر رہے تھے۔ ہم نے دور ہی سے ڈانٹا "خبردار!"

"خبردار" کی ڈانٹ سے وہ سب چونکے۔ انھوں نے ہماری طرف دیکھا ان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ گرج کر بولے:

"تم کون ہو اور اس جزیرے میں بلا اجازت کیوں آ گئے؟"

"ہم کوئی ہیں لیکن پہلے تم بتاؤ، کون ہو اور لڑکی کو کیوں زندہ زمین

میں دفن کر رہے ہو؟"

"اچھا تو ٹھہرو، بتاتے ہیں ہم کون ہیں!"

سادھوؤں کے پاس موٹے موٹے سونٹے تھے۔ سونٹوں پر لوہے کے تار لپٹے ہوئے تھے۔ انھوں نے دیر نہیں لگائی۔ سونٹے تان کر ہماری طرف جھپٹے۔ ہمارے ساتھیوں نے بھی لٹھ اٹھائے۔ میں نے تلوار میان سے نکالی اور دیکھتے دیکھتے مار دھاڑ ہونے لگی۔ ہم آٹھ آدمی تھے، وہ گیارہ لیکن ہم نے جان کی بازی لگا دی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لڑائی ہوتی رہی۔ اتنی دیر میں تین سادھو میری تلوار سے مارے گئے اور سات میرے ساتھیوں کے ہاتھوں گرے۔ ایک موٹا سا سادھو باقی رہا وہ بھاگا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "جانے نہ پائے۔"

ہم نے اس کا پیچھا کیا۔ پیچھا کرتے کرتے ہم اسی جگہ پہنچ گئے جہاں ہماری ناویں بندھی ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچ کر راجکماری کو نہایت قیمتی لباس اور طرح طرح کے زیورات پہنے بیٹھے دیکھا۔ اس کے آس پاس منوں مٹھائی اور پوجا پاٹ کا سامان رکھا تھا۔ آہٹ پاکر راجکماری نے ہماری طرف دیکھا۔ وہ حیران ہوگئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سادھو بھاگ کر سمندر میں چھلانگ لگانا ہی چاہتا تھا کہ میرے ایک ساتھی نے اس کی ٹانگ لی اور اسے گرا دیا۔ پھر سب نے مل کر اسے رسّیوں سے جکڑ دیا۔

راجکماری اُٹھ کر ہمارے پاس آگئی تھی۔ اس نے سادھو کو دیکھا، پہچان کر بولی "یہ تو ہمارے پردھت جی ہیں۔" پھر مجھ سے حال پوچھنے لگی۔ میں نے لڑکی کو زندہ دفن کرنے کا قصّہ بتایا۔ یہ سُن کر راجکماری کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرائی۔ میں نے پوچھا "راج کماری! تم کیوں مسکرائیں؟" بولی "پردیسی جوان! میرا خیال

ہے کہ تم نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ ہی نکلا۔ اب چلو ذرا دیکھیں وہ کنیا کون ہے۔ اس سے حال پوچھیں۔"

رنگے سیار

سادھو کو گھسیٹتے ہوئے ہم سب اس گڑھے کے پاس پہنچے جس میں لڑکی کو ڈھکیلا جا رہا تھا۔ لڑکی بے چاری حیران پریشان اسی جگہ بیٹھی تھی۔ اس نے ہم سے پانی مانگا۔ ہم نے پانی لاکر اسے پلایا۔ اس کے حواس درست ہوئے تو اس نے راجکماری کو پہچانا۔ وہ راج کماری کے قدموں پر گر پڑی۔ راج کماری نے بھی پہچانا وہ اس کی سہیلی کملا تھی جو پچھلے سال بھینٹ چڑھائی گئی تھی۔ راج کماری نے کملا سے حال پوچھا تو اس نے رو رو کر بتایا کہ یہ سب ان سادھوؤں کا ڈھونگ ہے۔ یہ بھینٹ چڑھنے والی لڑکی کو یہاں لے آتے ہیں اور پھر میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اس غریب کے ساتھ یہاں کیا برتاؤ کرتے ہیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ سال بھر تک ایسی کنیا کو رکھتے ہیں اور آخری دن زندہ ہی دفن کر دیتے ہیں۔

ہم لوگ سب کچھ سمجھ گئے۔ کملا نے بتایا کہ یہاں جتنے کمرے ہیں ان میں دھن دولت کے انبار لگے ہیں۔ سادھوؤں نے بڑا دھن اکٹھا کر رکھا ہے۔ کملا کے کہنے سے ہم نے کمروں کو کھول کر دیکھا۔ بے شمار دولت ہمارے سامنے تھی۔ ہم نے کمروں کو اسی طرح بند کر دیا۔ اس کے بعد راجکماری کے ساتھ پھر وہیں گئے جہاں راجکماری کو بٹھایا گیا تھا۔ پیٹ بھر کر کھایا پیا، کملا کو بھی کھلایا۔ کھائی کر تھوڑی دیر سستائے۔ پھر ناویں کھولیں۔ راج کماری اور کملا کو ایک ناؤ پر بٹھایا۔ اسی پر میں بیٹھا۔ میرا ایک ساتھی ناؤ کھینے لگا۔ دوسری ناؤ پر دوسرے

ساتھی چلے اور دن رہے راج محل میں پہنچ گئے۔

راجہ اور رعایا کا مسلمان ہونا

راجہ نے ہم سب کو زندہ اور سلامت دیکھا تو خوشی کے مارے ہم سے لپٹ گیا۔ راجکماری کی ماں یعنی راج ماتا نے میری بلائیں لیں اور کہا کہ اس پردیسی کی بدولت میری بچّی زندہ بچی۔ پھر جب کملا نے اپنی رام کہانی سنائی تو راجہ نے مجھ سے کہا:-

"پردیسی جوان! تم جو کچھ کہتے تھے، سچ ہی نکلا۔ اب میں وعدے کے مطابق تمھارا دین قبول کرتا ہوں۔"

میں نے راجہ کو کلمہ شہادت پڑھوایا۔ راجہ کے ساتھ ہی رانی، راجکماری کملا اور راج محل کے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ دوسرے دن راجہ نے دربار کیا۔ شہر کے بڑے بڑے لوگوں کو بھی دربار میں بلایا۔ سب کے سامنے سارا حال بیان کیا۔ کملا کو دیکھ کر اس کا باپ بہت خوش ہوا۔ پھر پروہت جی کا مقدمہ پیش ہوا۔ راجہ نے اسے پھانسی پر لٹکوا دیا۔ ان سادھوؤں کا پول کھلا تو شہر کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔ خدا کی قدرت کہ ان سب کے مسلمان ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی آسمان پر بادل چھانے لگے اور پھر دیکھتے دیکھتے بارش ہونے لگی۔ اس بارش سے لوگوں کا ایمان اور بھی مضبوط ہوا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ راجہ نے اپنے راج محل کے پاس میرے اور میرے ساتھیوں کے رہنے کے لئے دوسرا محل بنوا دیا اور میں وہاں رہنے لگا۔

میں دو برس وہاں رہا۔ دو برس میں میں نے وہاں کے لوگوں کو اسلام

کی ضروری باتیں سکھا دیں ۔ اس کے بعد وہاں سے چل دیا۔ چلتے وقت لوگوں نے بہت روکا لیکن میں سیر و سفر کا رسیا اب بھلا وہاں کب رکنے والا تھا۔ اللہ کا نام لیکر ایک طرف چل دیا۔"

یہ واقعہ لکھ کر ہمارا ابنِ بطوطہ لکھتا ہے کہ اس ملک کے لوگوں کو پڑھے لکھے کچھ چالاک لوگوں نے شرک میں پھنسا رکھا ہے ۔ جگہ جگہ بُت خانے بنے ہیں۔ چالاک لوگ ان بتوں کے ناتے اپنی خدائی کا ڈنکا بجاتے ہیں ۔ اگر کوئی مردِ مجاہد یہاں کے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرے تو یہاں کے لوگ بڑی آسانی سے شرک چھوڑ سکتے ہیں اور وہم پرستی کے جال کو خود توڑ سکتے ہیں۔

○

کسی غلط اور غیر ماحول میں حق بات کی طرف دعوت دینا آسان کام نہیں۔ چاروں طرف جہالت ہی جہالت اور نادانی ہی نادانی ہو تو لوگوں سے ان کی غلط روش کو چھڑانا بڑا مشکل کام ہے۔ اس کام کے کرنے والے کو اکثر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ایسے حالات سامنے آجاتے ہیں کہ آگے بڑھنے کی راہ نہیں ملتی لیکن اگر حق کا داعی اپنے مقام پر جما رہے تو دیر یا سویر، اللہ کی مدد آکر رہتی ہے اور وہ کامیاب ہوتا ہے حالانکہ اس کی کامیابی تو ہر حال میں ہے کیونکہ وہ اللہ سے اجر کا طالب ہے اور یہی اس کے لئے کافی ہے۔

○

کہانی ایک بھیانک بن کی

- ہاتھی اور بچھو
- شیر اور گینڈے کی لڑائی
- بونوں سے ملاقات
- جنگل سے نکلنا

ہمارے ابن بطوطہ کے سفرنامے کو پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح اس نے شہزادوں، قوموں اور بادشاہوں وغیرہ کا حال خوب پھیلا کر لکھا ہے اسی طرح پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں اور ریگستانوں کے بارے میں بھی انوکھی باتیں لکھی ہیں بلکہ ہمارے ابن بطوطہ کا وہ حصہ زیادہ دلچسپ ہے جو جنگلوں اور پہاڑوں سے متعلق ہے۔ ان بھیانک مقامات کا نقشہ اس نے اپنے لفظوں میں اس طرح کھینچا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہمارے ابن بطوطہ کو خطروں میں پڑنے کا شوق ہی تھا۔ اس کا وہ انوکھا اور دلچسپ واقعہ پڑھیے جو اس پر ایک جنگل میں پیش آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

ہاتھی اور بچھو

ایک جنگل میں میں تن تنہا رہ گیا۔ (وہ تن تنہا کس طرح رہ گیا؟ یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے لیکن اس وقت اسے ہم چھوڑتے ہیں بہرحال وہ اپنے قافلے سے اچانک بچھڑ گیا۔) میں جنگل میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ جنگل میں درندوں کا خطرہ تو ہوتا ہی ہے۔ میں بہت ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی درندہ جھپٹ پڑے اور تکا بوٹی کر ڈالے۔ میں یہی سوچتا ہوا بڑی دیکھ بھال کے ساتھ اِدھر اُدھر راستے کی کھوج میں تھا۔ اچانک ایک طرف پتے کھڑکھڑائے میں نے اُدھر دیکھا۔ ایک جھاڑی کے اس طرف ایک ہاتھی نظر آیا۔ ہاتھی کو

دیکھ کر میں گھبرایا۔ میں الٹے پاؤں بھاگا۔ میں بھاگا، ہاتھی میری طرف جھپٹا۔ میں نے بدحواس ہو کر بھاگنا شروع کر دیا۔ مجھے یہ بالکل ہوش نہ تھا کہ سامنے جو گھاس ہے اس میں کوئی سانپ چھپا ہو اور مجھے ڈس لے۔ میں ادھر سے ادھر بار بار مڑتا اور آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہاتھی کو مڑنے میں ذرا زحمت ہوتی ہے پھر بھی اس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ مڑ مڑا کر پھر میری طرف دوڑنے لگتا۔

میں دوڑتے دوڑتے بے دم ہو گیا۔ میں اللہ سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ! اس مصیبت میں تیرے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ یہ دعا کرتے ہی میری سمجھ میں آیا کہ ایک بہت موٹے اور پرانے پیڑ پر چڑھ جانا چاہیئے۔ بس میں نے ایک بڑے پیڑ کو تاکا۔ ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر ہوتا ہوا اس کے نیچے جا پہنچا۔ جھٹ اُس پر چڑھ گیا۔ درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر جا کر بیٹھا۔ ہاتھی بھی پیڑ کے نیچے آ گیا۔ اس نے ایک ٹکر پیڑ میں ماری لیکن پیڑ تھا پرانا اور بڑا ہی موٹا۔ اس کی جڑیں بہت ہی گہرائی اور پھیلاؤ میں تھیں۔ ہاتھی اسے گرا نہ سکا۔ میں نے موٹی موٹی ٹہنیاں بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھی تھیں اور دل ہی دل میں خدا کو یاد کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہاتھی کچھ پیچھے ہٹا اور اس نے بڑھ کر پھر ایک ٹکر ماری لیکن پیڑ کا کچھ نہ بگڑا۔ میں پیڑ پر بیٹھا دعائیں کرتا جاتا اور نیچے دیکھتا جاتا۔ ایک بار میں نے نیچے دیکھا۔ ہاتھی نے پیڑ کی موٹی ٹہنی کو پکڑ کر کھینچا۔ خدا کا کرنا اس ٹہنی کی جڑ میں کھوکھلی جگہ تھی۔ اس کھوکھلی جگہ سے ایک بھورا بچھّو نکلا۔ میری آنکھوں نے دیکھا وہ بھورا بچھّو مرغی کے چوزے کے برابر تھا۔ نہ جانے کیا ہوا۔ وہ بچھّو کھوکھلی جگہ سے نکل کر ٹھیک ہاتھی کے کان پر گرا۔ اس نے ہاتھی کے کان کے اندر پہنچ کر اس زور سے ڈنک مارا کہ ہاتھی چیخ اٹھا۔ دیکھتے دیکھتے دھڑام سے زمین پر گرا۔ بچھّو اس

کے کان سے نکل کر ایک طرف رینگ گیا۔ ہاتھی زمین پر گر کر چنگھاڑنے لگا۔ وہ کان پھٹپھٹاتا اور سر اور ـــــ سونڈ زمین پر ٹپکتا رہا۔ زیادہ دیر نہ لگی وہ بچھو کے زہر سے اسی جگہ مرگیا۔ مرہی نہیں گیا، خدا کی پناہ، اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے زہریلے جانور پیدا کیئے ہیں۔ اس بچھو کے ڈنک میں نہ جانے کون سا زہر تھا کہ ہاتھی کی سونڈ سے پانی جاری ہوگیا، پھر آنکھیں بہہ پڑیں۔ کانوں سے بھی کچھ سفید سفید رس رہا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ زہر کے مارے ہاتھی کا پورا بدن پانی ہوگیا۔ میں اس وقت نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا۔ اس وقت میرے دل میں خدا کی وہ ساری مخلوق آرہی تھی جو بھیانک اور بے انتہا ڈراؤنی شکل میں خدا نے پیدا کی ہے۔ خدا کی قدرت میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔

شیر اور گینڈے کی لڑائی

ہاتھی کے مرنے سے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ نے میری دعا سُن لی۔ میری زندگی ابھی باقی ہے۔ اسی لیے تو اللہ نے بچھو کو میری مدد کے لئے بھیج دیا۔ میں نے سوچا کہ اترنا چاہیے مگر اللہ کو ایک تماشا اور دکھانا تھا۔ میں درخت سے اترنے کیلئے سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک شیر کی گرج سُنی۔ میں اُدھر دیکھنے لگا۔ شیر نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ پھر گرجا۔ اس کے دہاڑنے سے میرا دل دہل دہل جاتا تھا مگر میں نے ٹہنیوں کو خوب اچھی طرح پکڑ لیا تھا، ہاتھوں سے بھی اور پیروں سے بھی۔ شیر نے دو تین بار جست بھی لگائی لیکن وہ ٹہنیوں میں اُلجھ اُلجھ کر گر گیا۔ پھر میں اتنی اونچائی پر تھا کہ اگر ٹہنیاں نہ بھی ہوتیں تب بھی شیر اتنی اونچی جست نہیں لگا سکتا تھا۔

شیر مجھے اپنا شکار سمجھ کر دہاڑ تا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ خوب رہی، ہاتھی سے چھوٹا تو شیر سے پالا پڑا۔ اب دیکھیے اللہ اس سے کس طرح بچاتا ہے۔ میں نے پھر اللہ کو یاد کیا۔ اللہ نے میری سُن لی۔ ایک طرف کسی جانور کے آنے کی آہٹ ہوئی۔ درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے ایک گینڈا نکلا۔ گینڈے کی تصویر تو میں نے دیکھی تھی لیکن اصل جانور کو دیکھنے کا وہیں موقع ملا۔ یہ گینڈا ہاتھی سے قد میں چھوٹا تھا۔ پیر ہاتھی ہی کی طرح تھے لیکن چھوٹے تھے۔ سونڈ کے بدلے گینڈے کے تھوتھن پر ایک سینگ نکلا۔ نہایت ہی نوکیلا سینگ۔ نہایت بھدے رنگ اور موٹی موٹی کھال والا۔ یہ سینگدار ہاتھی یعنی گینڈا جھاڑیوں سے باہر آکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے شیر کو اور شیر نے اُسے دیکھا۔ گینڈے کو اس موقع پر موجود دیکھ کر شیر کو بڑا غصّہ آیا۔ شیر یہ سمجھ رہا ہوگا کہ جنگل کے راجہ کے سامنے اس موٹلّے کی ہمت کیوں ہوئی کہ آئے۔ شیر اسے دیکھ کر گرجا اور پھر اس نے گینڈے پر جست لگا دی۔ شیر کی جست بڑی سچی ہوتی ہے وہ گینڈے کے ٹھیک کندھے پر جا کر گرا۔ کندھے پر شیر نے پنجہ مارا۔ میں نے سُنا تھا کہ شیر پنجہ مار کر سوا سیر گوشت لے جاتا ہے، مگر توبہ! گینڈے کی کھال بھی نہ جانے لوہے کی بنی تھی، شیر نوچ نہ سکا۔ پھر بات یہ بھی تھی کہ شیر کو گینڈے کے سینگ کا بھی خطرہ تھا۔ ادھر اس نے اس کا کندھا نوچا اُدھر اس نے سینگ مارا۔ شیر پہلے سے شاید ہوشیار تھا۔ جیسے ہی گینڈے نے سر اوپر کی طرف کر کے اس کے سینگ مارنا چاہا، شیر چھلانگ لگا کر دُور جا گرا۔

گینڈا زخم کھا کر بھپر گیا۔ میں نے سُنا تھا کہ وہ بڑا سیدھا جانور ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی سُنا تھا کہ وہ گھاس کھانے والا جانور ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ڈرپوک ہوگا مگر وہ تو شیر کے سامنے ڈٹ گیا۔ سینگ تان کر شیر کی

نظر سے نظر لڑا دی گویا یہ کہہ رہا تھا کہ آ تو اب کی بار۔

شیر چھلانگ لگا کر مُڑ چکا تھا۔ وہ بھی بپھرا ہوا تھا۔ پھر جنگل کا راجہ کسی کی نگاہوں کو کب دیکھ سکتا تھا۔ اس نے پھر جست لی اور پھر گینڈے کے کندھے پر اسی جگہ جا کر گرا اور پھر پنجہ مارا۔ اب کی گینڈا بلبلا گیا۔ اس مرتبہ گینڈا تھوڑی دور بھاگا۔ شیر نے پنجہ مارنے کے ساتھ جبڑا بھر لیا۔ لیکن گینڈے کی کھال اس سے اب بھی نوچی نہ جا سکی۔ مجبور ہو کر شیر کندھے سے پھر کودا مگر وہ ہارنے والا کب تھا۔ وہ پھر مُڑا۔ ادھر گینڈا شیر کے دو حملوں سے بہت ہی زخمی ہو چکا تھا لیکن وہ بھی پیٹھ دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پھر سینگ تان کر کھڑا ہو گیا کہ اب کی آ تو بتاؤں۔

شیر نے پھر اس پر جست لگائی۔ اب کی بار اس نے جست لگائی تو گینڈا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پیچھے ہٹنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیر ٹھیک اس کے سینگ پر آ کر گرا۔ گینڈے نے نوکیلا سینگ اس کے سینے میں پیوست کر دیا۔ اب شیر گینڈے کے سینگ پر تڑپ رہا تھا اور اس طرح آواز نکال رہا تھا جیسے وہ بہت جلد مرنے والا ہے۔

گینڈا تھوڑی دیر تک اپنی جیت کے گھمنڈ میں شیر کو سینگ پر لیے رہا۔ پھر جب شیر کا تڑپنا ختم ہوا یعنی جب وہ مر گیا تو اسی طرح سینگ پر لیے ہوئے ایک طرف گھاس میں چلا گیا۔ میں پیڑ پر بیٹھا یہ انوکھا تماشا دیکھتا رہا۔ اس میں شک نہیں کہ میں پیڑ پر ان دونوں درندوں سے بچا ہوا بیٹھا تھا مگر دو تین گھنٹوں میں میں نے جو کچھ دیکھا اس سے میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں پیڑ پر سے اُتر دوں۔ شام ہو گئی تھی، میں نے پیڑ ہی پر بسیرا کرنے کی ٹھانی۔ ٹہنیوں کو ایک دوسری سے اٹکا اور پھانس پھانس کر مضبوط سا چھپّر بنا لیا

اور اسی پر لیٹ گیا۔ پھر جب نیند آگئی تو پھر کیسا ڈر اور کیسا خوف!
میں رات بھر سوتا رہا۔ صبح سویرے جب چڑیاں چہچہانے لگیں تو میری آنکھ کھلی۔ میں نے دور دور تک نظر ڈالی۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ کوئی درندہ موجود نہیں ہے تو اترا۔ ایک جگہ تیمم کر کے نماز ادا کی۔ پھر ایک طرف چل دیا۔ میں بہت ہی چوکنا تھا۔ کسی طرف ذرا بھی آہٹ ہوتی کہ میں چونک جاتا۔ بڑے بڑے درختوں کو میں نے نگاہ میں رکھا کہ خطرہ سامنے آتے ہی کسی بڑے درخت پر چڑھ جاؤں گا۔

بونوں سے ملاقات

میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک طرف کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ میں نے ادھر دیکھا۔ چیخنے والا تو مجھے دکھائی نہ دیا، ہاں ایک کتے کو دیکھا وہ اپنے منہ میں بالشت ڈیڑھ بالشت کا کوئی جانور دبائے بھاگا جا رہا تھا۔ نظر جما کر دیکھا تو جانا کہ کتے کے منہ میں جانور نہیں بلکہ کسی انسان کا بچہ تھا، کالا کالا ہاتھ پاؤں والا بچہ۔ یہ دیکھ کر میں نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا لیا۔ پھر جب کتا میرے قریب سے گذرا تو پتھر اس کے سر پر پھینک مارا۔ پتھر کتے کے سر پر لگا۔ پتھر لگتے ہی اس نے "پیں" کی آواز نکالی۔ "پیں" کرنے سے کتے کا منہ کھلا تو بچہ اس کے منہ سے چھوٹ کر الگ جا گرا۔ میں نے ایک پتھر اور مارا اور پھر ایک اور، اور پھر پتھراؤ کر دیا۔ کتا چوٹ کھا کر ایک طرف بھاگ گیا۔ میں نے بچے کو اٹھایا۔ وہ سچ مچ انسان کا بچہ تھا۔ میں اسے ہاتھ میں لیے دیکھ ہی رہا تھا کہ چیخنے چلانے کی آواز بالکل میرے قریب آگئی۔ میں نے ادھر دیکھا۔ کالی کالی، ننگ دھڑنگ ایک بونی عورت

ہانپتی کانپتی اور چلاتی چلی آرہی تھی اور اپنی جنگلی زبان میں نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی بچے کو میرے ہاتھوں سے لے لیا۔ سینے سے لگا کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس عورت کا قد گز بھر سے کم ہی تھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی تھی وہ اپنے بچے کو پیار کر رہی تھی اور مجھ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں اس کی بولی سمجھ نہ سکا تو اس نے میرا کرتہ پکڑا اور ایک طرف لے چلی۔ میں چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لیا۔ اندازاً آدھ گھنٹہ چل کر اس نے کسی کو پکارنا شروع کر دیا۔ اس کی پکار سے دس بارہ بونے، تیر کمان لیے ہوئے ادھر ادھر سے نکل آئے۔ مجھے دیکھ کر سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ بونی عورت نے ان سے کچھ کہا تو وہ سب آکر میرے سامنے اوندھے لیٹ گئے۔ اپنا ماتھا زمین سے رگڑا اور کھڑے ہو کر میرے آس پاس ناچنے، اچھلنے اور کودنے لگے۔ میں کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ میں ان کی بولی تو نہ سمجھ سکا لیکن یہ سمجھ گیا کہ یہ سب مجھ سے خوش ہیں اور اپنی ان حرکتوں سے مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی کھڑا ہنستا اور مسکراتا رہا۔ جب یہ بونے اپنا رقص کر چکے تو مجھے گھیرے میں لیے ہوئے ایک طرف چلے۔ تھوڑی دور چل کر جھاڑیوں کا ایک کنج دکھائی دیا۔ وہ عورت اور بونے اس کنج میں گھس گئے۔ میں سمجھ ہی نہ سکا کہ کنج کے اندر کیسے جاؤں۔ شاید بونے سمجھ گئے۔ کئی بونوں نے جھاڑیوں کو پکڑ کر ادھر ادھر کھینچا تو راستہ ہوا۔ اس راستے سے میں اندر گیا۔ اندر جا کر کچھ جگہ ملی۔ یہ جگہ ان کے رہنے کی تھی۔ میں نے وہاں ہاتھی کے دانتوں کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ مجھے بڑی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے اپنا تھیلہ کھولا۔ روکھی سوکھی روٹیاں اور کچھ میوے نکالے۔ میرے پاس جو کچھ تھا اس میں سے بونوں کو بھی ذرا ذرا سی دی۔ میں نے بھی کھائی۔ روکھی سوکھی روٹیاں بونوں نے خوب مزہ لے لے کر کھائیں، کھا کر انھوں نے مجھے ایک کھیل دکھایا۔ وہ ایک دوسرے کے

کندھوں پر سوار ہو کر ناچے، کندھوں سے کودے اور پھر اچک اچک کر وہیں جا بیٹھے خوب ہی مزے دار تماشا دکھایا۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا اٹھا کر اس عورت سے کچھ کہا۔ عورت نے ایک طرف اشارہ کیا۔ بونے اس طرف گئے۔ پھر جب لوٹے تو ہاتھی کے دانتوں سے لدے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے ساتھ چل دیا۔ راستہ ان کو معلوم تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے جنگل سے باہر کرنے جا رہے ہیں۔

جنگل سے نکلنا

میں ان سب کے جھرمٹ میں تھا۔ عورت اپنے بچے کو لیے میرے برابر چل رہی تھی۔ ہم سب دن بھر چلتے رہے۔ ظہر کی نمازیں نے راستے میں پڑھی عصر کے وقت بونے مجھے لیکر جنگل کے کنارے جا پہنچے۔ جنگل کے کنارے بہت سے لوگ موجود تھے۔ بونوں کو دیکھ کر وہ سب آگے بڑھے۔ وہ سب اپنے ساتھ بہت سی روٹیاں لائے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب روٹیاں دے کر بونوں سے ہاتھی کے دانت لے جایا کرتے ہیں۔ میں نے یہ بات سنی بھی تھی لیکن آج بونوں نے روٹیوں کی طرف توجہ نہ دی۔ انھوں نے سارے کے سارے دانت میرے آگے ڈھیر کر دیے اور پیچھے کھڑے ہو گئے اور اپنے اپنے تیر کمان سنبھال لیے۔ شاید ان کا منشا یہ تھا کہ اگر کسی شخص نے زبردستی ہاتھی کا دانت لینا چاہا ہے تو اس کے تیر مار دیں گے۔

یہ دیکھ کر لوگوں نے مجھ سے ہاتھی کے دانتوں کے دام پوچھے۔ میں نے کہا کہ نیلام کر دوں گا جو زیادہ دام دے گا، اسے دے دوں گا۔ میں نے بولی

بلوانا شروع کی۔ ہزاروں کی رقم میرے ہاتھ آئی ۔ اسی رقم میں سے روٹیاں خرید کر میں نے بونوں کو دیں۔ انھیں یہ اشارہ کیا کہ ذرا ٹھہرے رہیں۔ یہ میرا پہلا اشارہ تھا کہ بونے سمجھ گئے ۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں روٹیاں کہاں مل سکتی ہیں؟ لوگوں نے باورچیوں کی دوکانیں بتادیں۔ میں نے جاکر ڈھیروں روٹیاں خریدیں لدواکر بونوں کے پاس لایا۔ بونے بہت خوش ہوئے۔ میں نے اشارہ کیا کہ لے جاؤ۔ بونوں نے اپنے اپنے سر پر روٹیاں لادیں۔ روٹیاں لادے لادے ایک بار پھر میرے گرد ناچے اور جنگل کی طرف چلے گئے ۔ وہ بار بار مجھے دیکھتے تھے ۔ میں بھی ان کو دیکھ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم انسانوں کے لیے اللہ نے کیسے کیسے مددگار پیدا کیے ہیں۔ اگر یہ بونے جنگل میں نہ ہوں تو ہاتھی کے دانت ہمیں کس طرح ملیں؟ کیسے کیسے احسانات ہیں اللہ کے۔

جب بونے نظر سے اوجھل ہو گئے تو میں لوگوں کے ساتھ آبادی کی طرف چل دیا۔"

○

جنگل کے یہ حالات لکھنے کے بعد ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ مومن کا سب سے بڑا سہارا دعا ہے ۔ مومن کو چاہیے کہ اپنے مالک کو یاد کرتا رہے اور وقت پڑنے پر زیادہ سے زیادہ اسی کی طرف دل کو لگائے ۔ اللہ اپنے بندے کی حفاظت ایسے طریقوں سے کرتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس جنگل میں اللہ ہی نے مجھے بڑے سے بڑے خطروں سے بچایا۔ میں نے ہر خطرے میں اللہ ہی سے دعا کی اور اللہ نے میری دعا سن لی۔

ایمان کی بات

- گرفتاری
- کتّا اچھا یا تم؟
- ایمان و ہدایت
- اللہ کے رسولؐ
- بادشاہ کا مسلمان ہونا
- میں تو پہلے سے مسلمان ہوں
- اور تم کس طرح مسلمان ہوئے؟
- امیر حمزہ اسؓ
- کُشتی اور غیبی مدد

ہمارا ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں اپنا ایک ایسا واقعہ لکھتا ہے جسے پڑھ کر ایمان میں مضبوطی آتی ہے، بڑی نصیحت ملتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان اللہ کو یاد کرتا رہے تو اللہ ٹھیک اس وقت اپنے بندے کی مدد کرتا ہے جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

گرفتاری

ایک بار کچھ لوگوں کے ساتھ ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ جنگل میں چاروں طرف ہریالی چھائی ہوئی تھی۔ طرح طرح کے پھولوں کی مہک آرہی تھی۔ رنگ برنگ چڑیاں پیڑوں اور پودوں پر پھدک رہی تھیں۔ ہرنوں کے غول کے غول جگہ جگہ چرتے پھر رہے تھے۔ نیل گائیں بھی اِدھر اُدھر گھومتی پھر رہی تھیں۔ جنگل میں جو ندی بہہ رہی تھی اس کا پانی بڑا صاف تھا۔ یہ دیکھ کر ہم سب ایک صاف جگہ ٹھہر گئے۔ خیال یہ تھا کہ کچھ دیر سستا کر آگے چلیں گے۔

ہم لوگوں نے زمین پر بستر لگا دیے، ابھی کچھ ہی دیر لیٹے تھے کہ اچانک ایک طرف سے کچھ سپاہی آتے دکھائی دیے۔ وہ سپاہی ہمارے پاس آئے۔ انھیں دیکھ کر ہم سب اٹھ گئے۔ سپاہیوں نے ہم سے پوچھا:۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں ٹھہرے ہو؟"

"ہم لوگ مسلمان ہیں اور سستانے کے لیے یہاں ٹھہر گئے ہیں۔" میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے جواب دیا۔ میری زبان سے یہ نکلا ہی تھا

کہ سپاہیوں نے ہمیں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ ہمارا سامان لوٹ لیا اور ہمیں لے کر ایک طرف چل دیے۔

ہمیں چلتے ہوئے زیادہ دیر نہ لگی تھی کہ سامنے ایک بڑا لشکر دکھائی دیا۔ لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ لشکر کے بیچ بیچ بڑا سا شامیانہ تنا تھا، شامیانہ میں شاہی تخت بچھا تھا اور لوگ بڑے ادب اور ٹھاٹ سے تخت کے آس پاس بیٹھے تھے۔ تخت پر ایک جلالی انسان تیوریاں چڑھائے بیٹھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بادشاہ ہے۔ سپاہی ہم سب کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ کا کتا بھی تخت کے پاس ہی چمڑے کے ایک گدّے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سور کا گوشت کھا رہا تھا۔

"کون ہیں یہ اور انھیں کیوں پکڑ لائے ہو؟" بادشاہ گرجا۔ سپاہیوں نے بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا۔

"حضور! یہ کچھ مسلمان ہیں۔ یہ مسلمان جنگل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ جنگل حضور کی عملداری میں ہے۔ آپ کا حکم ہے کہ آپ کی عملداری میں کوئی مسلمان نہ آنے پائے۔ ہم نے انھیں دیکھا تو پکڑ لائے۔ اب جو آپ حکم دیں۔"

یہ سُن کر بادشاہ غرّایا "ہوں ....." اس نے بڑھ کر کہا ہمیں دیکھا۔ پھر تیوریاں چڑھا کر بولا:-

"تم لوگ ہماری عملداری میں کیوں آئے؟"

یہ سُن کر میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا "تم جواب دو۔" میں نے بادشاہ سے کہا:-

"ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ اپنی عملداری میں مسلمانوں کو آنے نہیں دیتے۔ ہم تو مسافر ہیں۔ راستے راستے جا رہے تھے۔ راستے میں جنگل پڑا ہم ٹھہر گئے۔ آپ کے سپاہیوں نے ہمیں دیکھا اور بے خطا پکڑ لائے۔"

"بے خطا!" بادشاہ آپ ہی آپ دانت پیسنے لگا" تم جانتے نہیں کہ ہماری سرحد سے ملا ہوا جو مسلمانوں کا ملک ہے، اس ملک کے بادشاہ سے ہماری جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ہمیں سخت جانی اور مالی نقصان ہوا۔ میں تم لوگوں کو ابھی کتوں سے نچوا ڈالوں گا"

یہ کہہ کر حکم دیا کہ شکاری کتے لائے جائیں۔ حکم کی دیر تھی، شکاری کتے آ گئے۔

"مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ" بادشاہ ہمیں دیکھ کر گرجا۔ ہم کچھ نہ بولے تو بادشاہ نے ذلیل کرنے کے لیے ہم سے پوچھا:-

کتا اچھا یا تم؟

"اچھا یہ بتاؤ، تم ان کتوں سے اچھے ہو یا یہ کتے تم سے اچھے ہیں؟"

میں نے جواب دیا:-

"اگر ہماری موت ایمان کے ساتھ ہو تو ہم ان سے اچھے ورنہ یہ کتے ہم سے اچھے"

یہ جواب سنا تو بادشاہ میرا منہ تکنے لگا۔ شاید وہ میری بات سمجھ نہ سکا بولا "تم نے کیا کہا؟" میں نے پھر جواب دیا کہ اگر ہم ایمان کی سلامتی کے ساتھ مرے تو ہم کتوں سے اچھے اور اگر بے ایمان ہو کر مرے تو کتے ہم سے اچھے"

میری یہ بات شاید بادشاہ پھر نہ سمجھ سکا۔ اس نے حکم دیا کہ کتوں کو واپس لے جایا جائے۔ یہ مسلمان ایک خیمے میں قید رکھے جائیں اور رات کو جب میں کھانا کھا کر بیٹھوں تو صرف اس جوان کو میرے پاس لایا جائے۔

حکم کے مطابق ہم مسلمانوں کو ایک خیمے میں قید رکھا گیا۔ ہم سب نمازیں

اور قرآن پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہے اور اسی سے مدد مانگتے رہے۔ ہم نے اپنی دعاؤں میں اپنے اللہ سے یہ بھی کہا کہ اے اللہ ہم اگر اس حالت میں مارے جائیں کہ ہم مسلمان ہی ہوں اور مسلمان ہونا ہی ہمارا جرم ہو تو ہم اس پر راضی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم اس حال میں مرے تو تو ہم پر ضرور رحم فرمائے گا اور قیامت میں اپنی رضا کے گھر (جنّت) میں جگہ دیگا۔"

مغرب کی نماز کے بعد ہمارے پاس سپاہی کھانا پانی لائے۔ ہم نے کھایا پیا۔ تھوڑی دیر کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔ ابھی ہم عشاء کی نماز پڑھ کر دُعا ہی مانگ رہے تھے کہ میری طلبی ہوئی۔ میرے ساتھیوں نے مجھے "خدا حافظ" اور "فی امان اللہ" کہا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

میں اپنے ساتھیوں کی دعا لے کر اٹھا۔ سپاہی مجھے لے کر چلے۔ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی تھی اور کمر سے رسّی بندھی ہوئی تھی۔ سپاہی مجھے لے کر بادشاہ کے خیمے میں پہنچے۔ اس وقت خیمے میں بادشاہ بالکل اکیلا تھا۔ اس وقت اللہ نے اپنی رحمت سے میرے اوپر ایسا اطمینان اُتارا کہ میں ذرا بھی تو نہیں ڈرا۔ نڈر کھڑا ہوا یہ سوچتا رہا کہ بادشاہ جو کچھ کہے گا اس کا ٹھیک جواب دوں گا۔ رہا مرنا جینا تو یہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا حکم یہی ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کرا دے تو اس سے اچھی اور موت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ میں اسلام کی راہ میں شہید گنا جاؤں گا اور شہید آخرت کے دن کسی حساب و کتاب کے بغیر جنت میں جائے گا۔

اچھا تو میں بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔ بادشاہ نے میری طرف دیکھا پھر سپاہیوں کو خیمے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ جب سپاہی چلے گئے تو بادشاہ نے مجھ سے پوچھا "تم نے کس چیز کا نام لیا تھا جس کے ہوتے ہوئے انسان

کتے سے اچھا ہوتا ہے اور جس کے نہ ہونے سے کتے سے بدتر ہو جاتا ہے ؟"

ایمان اور ہدایت

"اے بادشاہ! اللہ تجھ کو ہدایت دے، اس چیز کا نام "ایمان" ہے۔"

"ایمان، ایمان"، بادشاہ نے کئی بار یہ لفظ دُہرایا پھر مجھ سے بولا "تم نے ابھی کیا دعا دی، خدا مجھے کیا دے۔؟"

"اے بادشاہ! میں نے تیرے لیے یہ دعا کی کہ اللہ تجھے ہدایت دے۔"

"ہدایت، ہدایت"، بادشاہ نے یہ لفظ بھی دہرایا پھر بولا "مجھے بتاؤ ایمان اور ہدایت کا کیا مطلب ہے۔ تمھاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور ہدایت بڑی اچھی چیزیں ہیں۔" "بے شک اے بادشاہ! ایمان اور ہدایت اللہ کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں۔ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے کو مانیں۔ اس پیدا کرنے والے کو جس نے ہمارے لیے ہوا بنائی، جس نے ہمارے لیے پانی برسایا، جس مہربان نے زمین کو ہمارے لیے بچھونا بنا دیا ہماری ضرورتوں کے لیے طرح طرح کا سامان پیدا فرمایا اور جس نے ہمیں دنیا کی ساری چیزوں سے بڑھ کر بنایا۔

اے بادشاہ! سوچنا چاہیے۔ اللہ چاہتا تو ہمیں کتا بنا دیتا، سور بنا دیتا یا جنگل کا کانٹے دار زہریلا پودا بنا دیتا۔ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔

"بے شک!" بادشاہ کی زبان سے "بے شک" کا لفظ سنا تو میں نے دل ہی دل میں کہا شاید میری بات وہ سمجھ رہا ہے۔ اب میں نے پھر کہا:

" اس پیدا کرنے والے کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے۔ اس پیدا کرنے والے

کو کوئی اللہ کہتا ہے، کوئی خدا کہتا ہے، کوئی کسی اور اچھے نام سے یاد کرتا ہے۔ سارے اچھے نام اسی کے لیے ہیں۔ اب سوچنا چاہیے کہ وہ خدا ایک ہی ہو سکتا ہے اگر دنیا میں دو خدا ہوتے تو دنیا کا یہ کارخانہ درہم برہم ہو جاتا۔ بالکل اسی طرح دونوں خدا لڑتے جس طرح ہم بادشاہوں کو آپس میں لڑتا دیکھتے ہیں۔"

"دریں چہ شک"، یعنی اس میں کیا شک۔ دریں چہ شک بادشاہ کی زبان سے نکلا تو میں نے نظر بھر کے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا غصّہ ختم ہو چکا تھا۔ ماتھے پر اب بل نہ تھے۔ میں پھر کہنے لگا:

"تو وہ خدا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اسی کے بس میں سب کچھ ہے۔ وہ جسے چاہے فقیر بنا دے، جسے چاہے امیر کر دے۔ کوئی اسے روک ٹوک نہیں سکتا۔ ہمیں چاہیے کہ اس خدا سے محبّت کریں۔ ہر وقت ڈرتے رہیں کہ ہمارا مہربان خدا ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔"

"خدا ناراض ہو جائے گا تو کیا ہوگا قیدی!"

"اے بادشاہ! ایمان کی بات یہ بھی ہے کہ ایک دن دنیا کا یہ کارخانہ ختم ہو جائے گا، قیامت آ جائے گی۔ سارے جاندار مر جائیں گے، اس کے بعد اللہ سب کو پھر زندہ کرے گا۔ اس دن وہ تختِ عدالت پر بیٹھے گا اور ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا ہم سے حساب لے گا۔ جس نے اس اللہ کو اپنا مالک مانا ہوگا اور اس کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی بسر کی ہوگی اس سے اس دن خوش ہوگا اسے اپنی رضا کے گھر یعنی جنت میں جگہ دے گا۔ اللہ کا وہ خوش نصیب بندہ سدا کے لئے جنّت میں رہے گا۔

اور جس سے ناراض ہوگا۔"

"جی ہاں، اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ جس نے اللہ کو اپنا مالک نہ مانا ہوگا، جس نے اپنے مالک کے احسانوں کو بھلا دیا ہوگا، اس کے حکموں کی پروا نہ کی ہوگی، اس سے اللہ ناراض ہوگا، ناراض ہو کر جہنم کی دہکتی آگ میں ڈال دے گا۔"

"آگ میں؟" بادشاہ چونکا۔ میں نے دیکھا بادشاہ میری طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا "جی ہاں، وہ اللہ جو چاہے سزا دے۔"

"ہوں......." بادشاہ نے سر جھکا لیا۔ میں بھی ذرا دیر کے لیے چپ ہوگیا۔ پھر میں نے کہا "اے بادشاہ! ایمان کی ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ جس طرح توجہ سے آپ نے سُنا ہے، آخری بات بھی اسی طرح سنیں گے۔"

"ٹھہرو قیدی! پہلے یہ بتاؤ کہ ہمیں اللہ کے حکم کیسے معلوم ہوں جن کے مطابق ہم زندگی بسر کرکے اپنے پیدا کرنے والے کو خوش کرسکیں۔"

اللہ کے رسول

"یہی آخری بات ہے، میں یہی بتانا چاہتا تھا۔ اللہ نے اپنے حکم بتانے کے لیے ہر ملک اور ہر زمانے میں اپنے ایسے نیک بندے پیدا کیے جن سے اچھے انسان ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ نے اپنے فرشتے جبریلؑ کے ذریعہ ان پر اپنا کلام اتارا۔ اپنے حکم نازل کیے، ان حکموں پر چلنے کا طریقہ بتایا اور انھیں حکم دیا کہ یہی حکم سارے بندوں کو سکھائیں۔ ان نیک بندوں کو رسول کہتے ہیں۔ اللہ کے سب سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ نے آپؐ پر

اپنا قرآن اتارا۔ قرآن میں وہ ساری باتیں لکھی ہیں جو اُس نے اپنے آخری رسولؐ پر اتاریں۔ تو اب ایمان کی پوری بات یہ ہوئی۔ اللہ کو ماننا، آخرت کے دن کو ماننا، اللہ کے رسولوں کو ماننا اور اُن ساری باتوں کو ماننا جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ جو شخص یہ باتیں مانتا ہے اسے مسلمان کہتے ہیں، جو نہیں مانتا ہے اسے کافر کہا جاتا ہے۔ مسلمان اللہ کا فرماں بردار بندہ ہوتا ہے اور کافر نافرمان۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ خدا کے نزدیک کون اچھا ہے اور کون بُرا؟ اچھا وہی ہے جو اللہ پر ایمان لائے، آخرت کے حساب سے ڈرے اور اللہ کے حکموں پر اس طرح عمل کرے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھایا۔"

بادشاہ کا مسلمان ہونا

یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ بادشاہ تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد وہ اٹھا۔ اس نے میرے ہاتھوں سے ہتھکڑی اور کمر سے رسّی کھول دی۔ مجھے پاس پڑی ہوئی ایک کرسی پر بٹھایا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ میرا دل مانتا ہے کہ تم نے ایمان کے بارے میں جو باتیں بتائیں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ ہدایت کے کیا معنیٰ ہیں؟

یہ سُن کر میں مُسکرایا۔ میں نے کہا "ہدایت کے معنیٰ وہ راستہ جس پر چل کر ہم اپنے اللہ کو راضی کر سکیں، وہ سیدھا راستہ جو ہمیں جنت کی طرف لے جائے۔"

"میرے قیدی مہمان!" بادشاہ کی آواز میں نرمی پیدا ہو گئی۔ اس نے کہا:- "قیدی مہمان! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم اس طرح زندگی بسر کریں

جس طرح قرآن بتائے "۔

"ٹھیک ٹھیک، اے بادشاہ، بالکل ٹھیک۔ آپ پوری بات سمجھ گئے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سینے کو ٹھیک بات قبول کرنے اور مسلمان ہونے کے لیے کھول دے "۔

"میں تمھارے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ میں یہ ساری باتیں مانتا ہوں میں نے اللہ کو ایک مان لیا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کر لیا لیکن تم جانو اپنے ملک میں اکیلا ہی مسلمان ہوں، ڈر ہے کہ لوگ میرا مسلمان ہونا سنیں تو بغاوت کر بیٹھیں اور مجھے قتل کر دیں "۔

اس بات کا جواب میں نے کچھ نہیں دیا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد بادشاہ نے خود ہی کہا "اچھا ٹھہرو، میں بڑے وزیر کو بلاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔ تالی کی آواز کے ساتھ ہی سنتری حاضر ہو گیا۔ بڑے وزیر کو بلانے کا حکم دے کر بادشاہ پھر سوچ میں پڑ گیا اور میں دل ہی دل میں کہنے لگا، دیکھیے اب اللہ کیا کرتا ہے۔ پھر آپ ہی آپ میں نے کہا اللہ جو کچھ کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔

بڑا وزیر تھوڑی دیر میں آ گیا۔ اس نے بادشاہ کو سلام کیا۔ اُس نے مجھ کو کرسی پر بیٹھے دیکھا تو پہلے اسے تعجب ہوا، پھر وہ مسکرایا اور بادشاہ کے اشارے سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا "آپ اس مسلمان کو کرسی پر بیٹھا دیکھ کر مُسکرائے کیوں؟"

"حضور! مسلمان قیدی کو کرسی پر بیٹھا دیکھ کر مجھے یہ خیال آیا کہ آپ نے اس پر مہربانی فرمائی اور وہ بادشاہ بہت ہی نیک ہوتا ہے جو دوسروں پر مہربان ہوتا ہے "۔

"اور خدا تو سب سے بڑا مہربان ہے اے سمجھدار وزیر!" بادشاہ نے وزیر سے کہا۔

"بے شک، خدا سب سے زیادہ مہربان ہے۔" وزیر نے اقرار کیا۔

"تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہربان کا احسان مانیں۔"

"حضور! بے شک ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

وزیر سے اقرار کرا لیا تو بادشاہ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔

پوری بات سامنے آئی تو وزیر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے کہا۔

میں تو پہلے سے مسلمان ہوں

"حضور! میں تو بارہ برس ہوئے کہ مسلمان ہو چکا ہوں۔" وزیر نے کہا۔

بادشاہ کو بھی اور مجھ کو بھی بڑا اچنبھا ہوا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا "جب آپ مسلمان ہو چکے تھے تو آپ نے بتایا کیوں نہیں؟"

"حضور! بتاتا کیسے؟ ڈر تھا کہ قتل کر دیا جاؤں۔ ہماری پوری قوم مسلمانوں کی دشمن ہو رہی ہے۔"

"اچھا تو ذرا بتائیے کہ آپ کس طرح مسلمان ہوئے؟"

"سنیے حضور! بڑی نصیحت والی بات ہے۔ پندرہ برس ہوئے کہ سمرقند اور بخاری کے کچھ مسلمان قید ہو کر راجدھانی لائے گئے۔ اس وقت میں جیل کا داروغہ تھا۔ قیدی میرے سپرد کیے گئے۔ مجھ کو حکم دیا گیا کہ جس طرح بنے ان مسلمانوں کو تاتاری قوم کا تابعدار بنایا جائے۔ جب تک تابعداری

کا اقرار نہ کریں اس وقت تک انھیں دُکھ پر دُکھ دیا جائے۔ خوب ستایا جائے انھیں بھوکا رکھا جائے۔ کوڑوں سے پٹیا جائے۔ بھاری زنجیروں میں جکڑ کر اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔ جب کسی طرح نہ مانیں تو قتل کر دیا جائے۔ ان کی لاشیں جنگل میں پھینکوا دی جائیں۔ حضور! میں آپ سے کیا چھپاؤں، میں نے ان مسلمان قیدیوں کو جی بھر کے ستایا۔ میں بھی ان سے بہت جلتا تھا۔ یہ مسلمان تھے تو قیدی مگر ہم لوگوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ راتوں کو نمازیں پڑھتے اپنے خدا کے آگے گڑگڑاتے لیکن دن کو جب میں اپنے سامنے بلاتا اور ان سے کہتا کہ ہمارے بادشاہ کی تابعداری کا اقرار کرو تو جواب دیتے "ہم تو بس اللہ کے تابعدار ہیں۔ ہم تو مسلمان ہیں۔ مسلمان خدا کے سوا کسی اور کا تابعدار نہیں ہوتا خدا کے سوا کسی اور کے آگے سر نہیں جھکاتا۔"

یہ سُن کر میں بھی بہت خفا ہوتا سپاہیوں کو حکم دیتا کہ پٹواؤ ان کو۔ میرے سپاہی ان پر کوڑے برساتے۔ کوڑوں کی مار سے وہ لہولہان ہو جاتے تو میں ان کے زخموں پر نمک چھڑکواتا۔

اِدھر میں ان پر یہ ظلم کرتا اُدھر ایک دن ایک حادثہ پیش آگیا۔ ہوا یہ کہ ایک دن میرا چھوٹا بچّہ کھیلتے کھیلتے کنویں پر پہنچ گیا۔ اس کا بچپن تو تھا ہی۔ وہ کنویں کے اندر جھانکنے لگا اور پھر اسی میں جا گرا۔ اُس وقت یہ مسلمان قیدی کھانا کھا رہے تھے۔ ان سب کا داہنا ہاتھ کھانا کھاتے وقت کھول دیا جاتا تھا۔ انھوں نے دیکھ لیا۔ بس اسی طرح پاؤں میں بیڑیاں پہنے اور بایاں ہاتھ بندھے دوڑ پڑے۔ میں دفتر میں بیٹھا تھا۔ میں دفتر سے دوڑا۔ میری بیوی نے محل میں خبر سُنی وہاں سے وہ بدحواس ہو کر بھاگی۔ ہم سب کنویں پر پہنچے۔ قیدی کہیں سے رسّی بھی اُٹھا لائے تھے لیکن ایک ہاتھ سے وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ بے چارے اپنی سی کوشش

کر رہے تھے ۔ وہ مسلمان قیدی اپنے خدا سے دعا کر رہے تھے "اے اللہ! اس معصوم قیدی پر رحم فرما۔" اس وقت تو ہم سب اپنے ہوش میں نہ تھے لیکن ہماری کوشش سے جب بچّہ اور کنویں میں داخل ہونے والا قیدی باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ بچّہ اس کی گود میں تھا۔ اس نے بچّہ کو گود سے اتارا۔ میرے نوکروں نے بچّے کو لیا اور محل میں چلے گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ "اُف! یہ مسلمان قیدی، جن کو میں کیسا کیسا ستاتا ہوں، انھوں نے مجھ پر یہ احسان کیا۔ یہ خیال میرے دل میں آیا، میں آگے بڑھا۔ میں نے ان سے کہا "میں تو تمھارا دشمن ہوں، پھر تم پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہوں، تم کو تو خوش ہونا چاہیے تھا جب میرا بچّہ کنویں میں گرا تھا۔"

"نہ نہ، دار وغہ صاحب! ہماری لڑائی تو آپ سے ہے، یہ تو معصوم بچّہ ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بچّوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بچّوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم یہ کیسے دیکھ سکتے تھے کہ ایک بچّہ، چاہے وہ دشمن کا سہی، کنویں میں ڈوب کر مر جائے۔"

حضور! میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ میں نے مسلمان قیدیوں سے ان کے رسول کے بارے میں دو چار باتیں اور پوچھیں۔ انھوں نے جب پیارے رسول کے پیارے حالات بتائے تو میرے دل نے کہا کہ کیا اچھی تعلیم ہے ان کے رسولؐ کی!

اس کے بعد میں نے مسلمان قیدیوں کو ستانا بند کر دیا۔ میں کبھی کبھی ان کے پاس جانے لگا، ان سے باتیں کرنے لگا۔ باتوں باتوں میں انھوں نے اسلام کی پوری تعلیم مجھے سمجھا دی جس طرح اس نوجوان نے آپ کو سمجھایا، بالکل اسی طرح اسلامی عقیدے میری سمجھ میں آگئے اور میں نے اسلام قبول کر لیا لیکن

ڈر کے مارے کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ میں مسلمان ہوں۔ میں نے بادشاہ کو جھوٹ موٹ لکھ بھیجا کہ ان مسلمانوں نے تابعداری قبول کرلی ہے۔ وہاں سے حکم آیا "تو پھر انھیں چھوڑ دو"

میں نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ جب وہ گھر جانے لگے تو میں نے بہت سا مال انھیں دیا۔ اس کے بعد میں ترقی کرتے کرتے حضور کے والد صاحب کے زمانے میں وزیر ہوگیا لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ میں مسلمان ہوں۔ آج مجھے بڑی خوشی ہے کہ حضور نے اسلام قبول کرلیا۔ خدا آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کو اسلام پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔"

یہ سُن کر تغلق تیمور بہت خوش ہوا۔ میں بھی بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد تغلق تیمور شاہ نے اپنے دربار کے ایک بڑے افسر کو بلایا۔ وہ آیا تو اسے سمجھانے لگا، اسلامی عقیدے بتانے لگا۔ جیسے جیسے تغلق تیمور شاہ اسلامی باتیں بتاتا گیا، افسر کا چہرہ خوشی کے مارے چمکتا گیا۔ آخر میں جب تیمور شاہ نے یہ بتایا کہ وزیر مسلمان ہوچکا ہے اور میں بھی مسلمان ہوگیا ہوں تو افسر کی زبان سے نکلا "الحمدللہ"

"ارے بھئی، یہ "الحمدللہ" تم نے کیوں پڑھی، تم الحمدللہ کیا جانو؟" بادشاہ نے حیران ہوکر پوچھا۔ اس نے بتایا "حضور! میں تو دس برس سے پوشیدہ طور پر مسلمان ہوں۔ میں نے بھی اپنی قوم کے ڈر سے اپنا مسلمان ہونا چھپایا جس طرح وزیر صاحب نے پوشیدہ رکھا۔

اور تم کس طرح مسلمان ہوئے؟

"تم کس طرح مسلمان ہوئے؟" افسر سے پوچھا گیا۔ وہ اپنے مسلمان

ہونے کا قصّہ اس طرح سنانے لگا :-

" حضور ! دس برس پہلے میں ایک علاقے کا حاکم تھا۔ اسی زمانے میں ایک بار قرا قرم کے کچھ مسلمان قید ہو کر میرے یہاں بھیجے گئے ۔ ان میں قریب قریب سب عالم تھے۔ یہ عالم دن میں وہ سارے انتھک کام کرتے جو میں ان سے لیتا تھا اور راتوں میں عبادت کرتے تھے۔ میں نے ان کو اس قید خانے میں بند کر رکھا تھا جس میں کئی بڑے بدمعاش قید تھے۔ کچھ ہی دن کے بعد میں نے دیکھا کہ ان بدمعاشوں کی عادتیں بدلنے لگیں ۔ وہ بڑے بدزبان تھے، دن رات گالیاں بکتے تھے لیکن اب انھوں نے گالیاں بکنا چھوڑ دی تھیں۔ میں دن میں اُن سے جو کام لیتا تھا، وہ پورا کر کے نہیں دیتے تھے لیکن اب وہ سب بڑی محنت سے کام کرنے لگے تھے ۔ اسی طرح ان میں اچھی عادتیں پیدا ہو رہی تھیں ۔

اب سُنیے ، ایک دن میں قید خانے کے معائنے کو گیا تو قرا قرم کے یہ مسلمان قیدی جو ہمارے دشمن تھے اور ہم ان کے دشمن تھے، ان میں سے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے ۔ " اب ان بے چاروں کو چھوڑ دیجیے "۔ یہ کہتے ہوئے ان بدمعاشوں کی طرف اشارہ کیا ۔

" واہ وا ، آپ کے کہنے سے کیوں چھوڑ دوں ۔ کیا آپ میرے حاکم ہیں ؟ " میرے اس تیکھے جواب پر وہی صاحب کہنے لگے کہ حاکم تو ہمارا تمھارا اللہ ہے ۔ میں تو اس لیے کہتا ہوں کہ اب یہ لوگ بُری عادتیں چھوڑ چکے ہیں اور اب اچھی زندگی بسر کریں گے "۔

" آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا ؟ "

" ہمیں اس طرح معلوم ہوا کہ اب یہ راتوں کو اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ

کرتے ہیں۔"

یہ سن کر میں نے ایک بدمعاش کو بلایا وہ میرے سامنے آیا۔ اُس نے ادب سے سلام کیا اور بولا؟ "کیا حکم ہے؟"

"کیا تم اقرار کرتے ہو کہ اگر تم کو چھوڑ دیا جائے تو تم اچھی زندگی بسر کرو گے؟"

"میں کوشش کروں گا توفیق دینے والا اللہ ہے۔"

معلوم نہیں کیوں اس پر ترس آگیا۔ میں نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ وہ قید خانے سے رہا کر دیا گیا لیکن میں نے دو تین جاسوس مقرر کر دیے کہ ہر مہینے اس کے بارے میں رپورٹ دیں۔ جاسوس نے اس کے بارے میں بڑی اچھی رپورٹ دی اور بتایا کہ اب اُس شخص نے پھلوں کا کاروبار کر لیا ہے اور بڑی ایمانداری کے ساتھ سودا بیچتا ہے۔

یہ رپورٹ پاکر میں نے دوسرے بدمعاشوں سے بھی وعدہ لیا اور ان سب کو چھوڑ دیا۔ یہ سب اپنے اپنے گھر گئے۔ ان کے بارے میں جاسوسوں نے رپورٹ دی کہ ان کے رہا کر دینے سے ان کے علاقے کے بدمعاشوں پر بڑا اچھا اثر پڑا ہے اور اب اس علاقے میں چوری، ڈکیتی، جُوا اور ایسے ہی دوسرے بُرے کام کم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میرے دل میں یہ کھوج پیدا ہوئی کہ آخر یہ بدمعاش نیک معاش کیسے ہو گئے؟ میں نے بار بار سوچا، میری سمجھ میں آیا کہ ہو نہ ہو ان مسلمان مولویوں نے شاید کوئی اچھی بات انھیں بتا دی ہے۔ ایک دن میں نے مسلمان قیدیوں میں سے مولوی فرید سے پوچھا کہ تم نے انھیں کیا نصیحت کی؟ مولوی فرید نے بتایا کہ ہم نے انھیں سمجھایا "دیکھو تم سب جوان ہو، طاقتور ہو، اگر چاہو تو جس خدا نے تم کو یہ طاقت دی ہے، اس خدا کی خوشی کے کام کر کے اچھی کمائی کر سکتے ہو۔ پھر جب مرنے

کے بعد اس خدا کے سامنے جاؤ گے تو تمھارا مولا تم سے خوش ہو جائے گا اور جنت میں جگہ دے گا لیکن اگر بُرے کام کرو گے تو یہیں قید خانے میں مرو گے پھر جب اپنے خدا کے سامنے جاؤ گے تو وہ تم سے ناخوش ہوگا ۔ وہ ناخوش ہوگا تو تمھارا ٹھکانہ جہنم ہے ۔ دو دن کی زندگی ہے ، ابھی موقع ہے توبہ کرلو ۔ اللہ کا شکر ہے ، ہماری نصیحت سے وہ سنبھل گئے اور ان سب نے توبہ کرلی "

شیخ فرید کی باتیں میں نے سُنیں ۔ میں یہ باتیں بھول نہ سکا ۔ ان پر غور کرتا رہا ۔ دل میں کہا کہ کسی انسان کے نیک بننے کے لئے شیخ فرید کی نصیحت بہت اچھی ہے ۔

اب سُنیے ، کچھ ہی دن اور گزرے تھے کہ بادشاہ نے حکم بھیجا کہ قید خانہ کے قیدیوں میں ایک مسلمان عالم ہے ، اس کا نام شیخ فرید ہے ، اسے قتل کردو اور اس کی لاش جنگل میں پھینکوا دو ۔ یہ حکم میں نے شیخ فرید کو سُنایا اور کہا کہ تمھارے دل میں آخری جو ارمان ہو ، بتاؤ تاکہ موت سے پہلے تمھارا ارمان پورا کر دیا جائے ۔ میں پرسوں تمھیں قتل کردوں گا "

قتل کا حکم سُن کر شیخ فرید نے کچھ سوچا " ہاں ایک ارمان ، نہیں نہیں ارمان نہیں ایک ذمہ داری میرے سر پر ہے ، اگر آپ چوبیس گھنٹے کے لیے مجھے رہا کر دیں تو میں اس ذمّہ داری کو پورا کر لوں "

" کیا ہے وہ ذمّہ داری ؟ " میں نے شیخ سے پوچھا ۔ بتایا کہ ایک یتیم بچّے کے باپ نے دو سو اشرفیاں مجھے دی تھیں کہ جب میرا بچّہ بڑا ہو جائے تو اسے دے دینا ۔ یہ اشرفیاں میں نے ایک درخت کے نیچے زمین میں دفن کر دیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ امانت اس بچّے کو دے دوں ۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں

کہ میں پرسوں صبح خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

شیخ سے یہ سُن کر میں سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسی بہانے شیخ بھاگنا چاہتا ہو۔ پھر میں نے دل ہی دل میں کہا "دیکھنا چاہیے کہ شیخ کتنے پانی میں ہے۔ آخر بھاگ کر جائے گا کہاں۔ میں نے چوبیس گھنٹے کے لیے چھوڑ دیا اور ایک درجن جاسوس پیچھے لگا دیے۔

حضور والا! میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ شیخ اپنے وعدے کے مطابق صبح کو آ گیا۔ میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ میں نے پوچھا "شیخ! تم رہا ہو چکے تھے، آزاد ہو چکے تھے، کہیں بھاگ جاتے"۔ شیخ نے جواب دیا "میں کیسے بھاگ جاتا، آپ سے وعدہ کر چکا تھا۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدے کو نبھانے کی بڑی سخت تاکید فرمائی ہے"۔

یہ جواب سُن کر میں سوچنے لگا کہ جس رسول کے امتی رسول کی تعلیم سے اتنے اچھے انسان ہو سکتے ہیں اس کی تعلیم ضرور برحق ہے۔ ایسے اچھے انسانوں کو مار ڈالنا اچھا نہیں۔ یہ سوچ کر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھیں۔ شیخ فرید نے بڑی تفصیل کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے۔ آپ کی تعلیم سمجھائی، اسلامی عقیدے بتائے۔ میرے دل میں ساری باتیں بیٹھ گئیں۔ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ میں نے شیخ فرید کو رہا کر دیا اور بادشاہ کو لکھ دیا کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد دوسرے عالموں کے لیے یہی حکم آیا اور میں نے انھیں بھی چھوڑ دیا اور پھر یہی لکھ کر بھیجا کہ سب کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا گیا اور ان کی لاشیں چیل کوؤں کو کھلا دیں۔

حضور! اس کے بعد میں پوشیدہ طور سے مسلمان بنا رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میرا مسلمان ہونا لوگوں کو معلوم ہو گیا تو میں ضرور قتل کر دیا جاؤں گا۔ آج

میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمارے بادشاہ کو مسلمان کر دیا۔ اللہ آپ کے ایمان میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔"

اس افسر کے مسلمان ہونے کی پوری بات سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا، بڑا وزیر بہت خوش ہوا، میں بھی بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے محل ہی میں اپنے ایک ایک درباری کو بلاتا گیا، ہر ایک کو سمجھاتا گیا۔ خدا کی قدرت، جو درباری آیا، وہ مسلمان ہو گیا۔ اب تو بادشاہ کی ہمت بڑھ گئی۔ دوسرے دن اس نے دربار عام کیا۔ راجدھانی کے اثر دار لوگوں کو بلایا، سب کو عزت کے ساتھ بٹھایا، اسلامی عقیدے سب کے سامنے رکھے۔ اسی وقت دو لاکھ تاتاری مسلمان ہو گئے۔

اب بادشاہ نے میرے ساتھیوں کو قید خانے سے بلایا۔ انھیں عزت کے ساتھ دربار میں جگہ دی۔ ان کو بہت سا انعام و اکرام دیا۔ اس کے بعد انھیں رخصت کیا۔ میرے ساتھی رخصت ہو کر اپنے گھروں کو چل دیے۔ بادشاہ نے مجھے روک لیا اور کہا، "اس وقت تک آپ یہاں ٹھہریں گے جب تک اسلام کی تعلیم پوری کی پوری ہماری قوم کو نہ دے دیں۔"

امیر جبراسب

راجدھانی کے لوگ مسلمان ہو گئے تو بادشاہ نے چاہا کہ اس ملک کے سارے لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اس نے بڑے وزیر سے مشورہ کیا اپنے دربار کے دوسرے لوگوں سے بھی رائے لی۔ اچھی طرح سوچنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ ملک میں جو چھوٹے بڑے حاکم ہیں اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو سارے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ ہونا یہ چاہیے کہ تمام چھوٹے

بڑے حاکموں کو راجدھانی میں بلایا جائے، انھیں سمجھایا جائے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی مسلمان کر دے۔

یہی رائے بادشاہ کی بھی تھی۔ اس نے اپنے ملک کے سارے حاکموں، نوابوں اور گورنروں کو بلایا، انھیں سمجھایا۔ اللہ کی مہربانی سے سارے حاکم اور نواب مسلمان ہو گئے۔ لیکن امیر حبراس اکڑ گیا۔ اس نے مسلمان ہونے کے لیے ایک شرط لگائی۔ اس نے کہا کہ میرے علاقے میں ایک پہلوان ہے "سانگنی بقا" اس کا نام ہے (پھر اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا) اگر یہ صاحب اس سے کشتی لڑیں اور اس سے جیت جائیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

یہ شرط سن کر بادشاہ بولا "اسلام تو انسان کو انسان بنانے کے لیے آیا ہے، پہلوانی کے داؤں پیچ سکھانے نہیں آیا۔ مسلمان ہونے اور نہ ہونے سے تمھاری اس شرط کا کیا تعلق؟ سوچو تو، اگر "سانگلی بقا" نے اپنے سے کمزور مسلمان کو پچھاڑ دیا تو کیا اسلام کے سچے عقیدے جھوٹے سمجھ لیے جائیں گے؟ کمزور مسلمان کے ہار جانے سے کیا تم خدائے واحد کا انکار کر دو گے؟ کشتی کے ذریعہ کسی مذہب کو جھوٹا یا سچا قرار دینا غلط ہے۔

بادشاہ نے اس طرح امیر حبراس کو بہت سمجھایا۔ درباریوں نے بھی کہا کہ یہ شرط غلط ہے لیکن امیر حبراس کسی طرح نہ مانا۔ وہ اپنی شرط پر اڑا رہا۔ اس وقت نہ جانے مجھے کیوں جوش آ گیا۔ میں کھڑا ہو گیا اور کہا "میں سانگنی بقا سے کشتی لڑنے کو تیار ہوں۔"

سب میری طرف دیکھنے لگے۔ سب کو بڑا تعجب تھا۔ سب نے منع کیا اور کہا "پہلوان سانگنی بقا بڑا اکھڑ ہے۔ وہ اتنا بڑا پہلوان ہے کہ آج تک کوئی اس سے جیت نہ سکا۔ جو بھی اس سے کشتی لڑا، ہارا۔ کئی پہلوانوں کو تو اس نے اس بری طرح

اٹھا کر پٹکا کہ وہ مر گئے۔ ہم ہرگز آپ کو اس سے لڑنے نہ دیں گے۔"

اس طرح سب نے سمجھایا تو میں نے جواب دیا "ہار اور جیت سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ کمزور لوگوں کو اللہ نے طاقتور لوگوں پر فتح دی اور کم لوگوں نے زیادہ لوگوں کو ہرا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد کے لیے فرشتے بھیج دے اور میں پہلوان کو ہرا دوں۔ اگر ایسا ہوا تو امیر حمزہ اس بھی مسلمان ہو جائے اور پھر قیامت کے دن خدا کے عذاب سے بچ جائے گا۔ امیر حمزہ اس کو خدا کے عذاب اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے میں اس وقت تک کوشش کروں گا جب تک میری سانس چل رہی ہے۔"

میرا اٹل فیصلہ دیکھ کر بادشاہ نے حکم دیا کہ پہلوان سا تغنی بقا کو بلایا جائے۔ امیر حمزہ اس نے پہلوان کو بلا بھیجا۔ پہلوان سا تغنی بقا جس وقت دربار میں آیا تو لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ بڑا تگڑا اور توانا آدمی تھا، پورا دیو معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دل میں خدا کو یاد کیا اور سب کے سامنے پہلوان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

کُشتی اور غیبی مَدَد

پہلوان نے غصّے میں آکر میری کمر کو پکڑا اور اٹھا کر چاہا کہ پٹک دے۔ ٹھیک اُسی وقت میں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا "اللہ اکبر" اور اس کے پنجے سے آزاد ہونے کے لیے تڑپا تو خدا کی قدرت کہ اچانک میرا سر زور سے پہلوان کی ناک سے ٹکرایا۔ ٹکرانے کے ساتھ ہی خون کا فوارہ اس کی ناک سے پھوٹ پڑا۔ اس نے گھبرا کر مجھ کو چھوڑ دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو میری بن آئی۔ میں نے ایک ٹھوکر ماری۔ وہ بے ہوش تو

ہو ہی رہا تھا میری ٹھوکر سے وہ چت ہو گیا۔ میں اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ تغلق تیمور یہ دیکھ کر اٹھا اور اس نے مجھے گلے سے لگا لیا پھر امیر جبراس سے کہا "بولو" اب کیا کہتے ہو؟"

امیر جبراس —— پھٹی پھٹی نظروں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ ایک کمزور انسان سے یہ دیو کیسے ہار گیا۔ اس نے کہا:۔

" میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہوا۔ خدا نے غیب سے اس کمزور مسلمان کی مدد کی۔ میں شرط کے بموجب مسلمان ہوتا ہوں۔"

اس کے مسلمان ہونے سے سب کو خوشی ہوئی۔ پھر جب امیر جبراس اپنے علاقے میں گیا تو یہی واقعہ بیان کر کے اس نے اپنی رعایا سے کہا کہ " سچ مچ اسلام سچا دین ہے۔" تمام رعایا بھی مسلمان ہو گئی۔ اس طرح بادشاہ کے ملک میں کچھ دنوں کے اندر اسلام پھیل گیا۔

میں وعدے کے مطابق تین برس بادشاہ کے پاس رہا۔ اس کے بعد اس سے رخصت ہو کر دوسرے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔

مچھلی کا شکار

- مچھ مارک گاؤں
- مچھلی کی تلاش
- حملہ
- ہمارے دو آدمی
- بارگولہ مچھلی کے پیٹ میں
- گھریلو علاج
- بارگولہ کی آپ بیتی

○

ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں زیادہ تر ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو پڑھ کر ایمان مضبوط ہوتا۔ ایک واقعہ تو ایسا لکھا ہے جو قرآن کے ایک واقعہ سے ملتا جلتا ہے۔ آپ اس واقعہ کو پڑھیے۔ امید ہے کہ آپ کے ایمان میں بھی مضبوطی آئے گی۔ ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

مچھ مارک گاؤں

"ایک بار گھومتا پھرتا میں مچھ مارک گاؤں میں پہنچا۔ مچھ مارک گاؤں سمندر کے کنارے ہی تھا۔ گاؤں کے رہنے والے سارے کے سارے ماہی گیری کا پیشہ کرتے تھے یعنی وہ مچھلیاں پکڑ کر بیچتے تھے اور اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان ماہی گیروں کے پاس بڑی بڑی کشتیاں (ناویں) تھیں۔ ان کشتیوں میں دس دس بارہ بارہ ماہی گیر بیٹھتے، مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال رکھتے، بڑے بڑے بلم لیتے اور تیر کمان سے لیس ہو کر کشتیاں سمندر میں اتار دیتے۔ ایک ساتھ کئی کئی کشتیاں جاتیں۔ کوشش کرتے کہ پچاس آدمی ضرور ساتھ ہو جایا کریں۔

میں اس گاؤں میں پہنچا تو ان لوگوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی۔ انھوں نے مجھ کو اپنے یہاں ٹھہرا لیا۔ یہ ماہی گیر گھر بنا کر نہیں رہتے، خیموں اور ڈیروں میں رہتے تھے۔ تین دن رہنے کے بعد میں نے ان سے کہا:۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم تین دن مہمان رہیں۔ مجھے آپ صاحبان کے یہاں تین دن ہو گئے۔ اب یا تو آپ مجھے جانے کی اجازت دیں یا پھر کام بتائیں، میں خود کماؤں اور کھاؤں۔

میرا خیال تھا کہ وہ لوگ مجھ سے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھیں گے تو میں ان کو اسلام کے بارے میں پوری بات بتاؤں گا لیکن ان لوگوں نے آپؐ کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ ہاں میرے بارے میں سوال کرنے لگے۔

"تم بلّم مارنا جانتے ہو؟ تم تیر چلانا جانتے ہو؟ تم تیرنا جانتے ہو؟ پہلے یہ بتاؤ تو ہم تمھارے لئے کام نکالیں۔"

میں نے جواب دیا "میں عرب ہوں۔ عرب کے رہنے والے تیر تلوار اور نیزہ چلانا خوب جانتے ہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں یہ ہتھیار چلانا سیکھے تھے۔ جب چھوٹا تھا تو سمندر کے کنارے مچھلیوں کے شکار کو بھی جایا کرتا تھا۔ اگر اس طرح کا کوئی کام ہو تو میں کرنے کو تیار ہوں۔"

مجھ سے یہ سن کر ماہی گیر بہت خوش ہوئے۔ بولے "تم جوان آدمی ہو ہمارے بڑے کام کے ہو، ہم پرسوں مچھلیوں کے شکار کو جانے والے ہیں، تم کو بھی لے چلیں گے۔ مچھلیاں پکڑیں گے، تمھارا بھی برابر کا حصہ لگائیں گے۔ ضروری سامان ہم خود دیں گے۔"

مچھلی کی تلاش

میں نے اُن کی بات منظور کر لی۔ تیسرے دن پانچ بڑی بڑی کشتیاں

سمندر میں تیرنے لگیں۔ کشتیوں میں ہم نے کھانے پینے کا سامان رکھ لیا۔ مچھلیوں پر پھینکنے کے لیے چھوٹے بلّم بھی رکھ لیے اور پکڑ کر مارنے والے بڑے بلّم بھی ہمارے ساتھ بڑے بڑے جال بھی تھے۔ کاندھوں پر کمان اور پشت پر ترکش بھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد لوگوں نے مجھ سے کہا "ذرا تم چپو لو اور دکھاؤ کہ ناؤ کیسے کھیتے ہو؟" میں نے بڑھ کر چپو لیا اور ناؤ کھینے لگا۔ ہم عرب لوگ ناؤ کھینا خوب جانتے ہیں۔ میں نے چپو لیا تو ناؤ تیزی سے چلی۔ وہ سب مسکرائے آپس میں کہنے لگے "جوان ہے تو کام کا آدمی"۔

ہم کئی گھنٹے مچھلیوں کی کھوج میں کشتیاں اِدھر سے اُدھر تیراتے رہے کئی گھنٹوں کے بعد ایک طرف پانی میں تیز تیز لہریں اٹھتی دکھائی دیں۔ ہم سمجھ گئے کہ ضرور کوئی بڑی مچھلی ہے۔ پھر دیکھا کہ مچھلی کا ایک حصہ پانی کے اوپر ابھرا۔ ماہی گیر پکارے "مچھ لام بیا"، یعنی مچھلی بہت بڑی ہے۔ یہ کہہ کر مچھلی کو گھیرنے کی کوشش کرنے لگے۔ چار کشتیاں مچھلی کے آس پاس گھیرا ڈالنے کے لیے بڑھیں۔ ایک کشتی الگ ٹھہری رہی۔ اس کشتی کے لوگ اس لیے الگ رہے کہ جس طرف مدد کی ضرورت ہوگی، اُدھر کشتی کو لے جائیں گے۔ میں اُن چار کشتیوں میں سے ایک پر تھا جو مچھلی کو گھیرنے چلی تھیں۔ ہم نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں مچھلی کو گھیر لیا۔ اتفاق کی بات جس کشتی پر میں تھا، وہ مچھلی کے سامنے تھی۔ مچھلی نے بھی سمجھ لیا کہ خطرہ ہے۔ اس نے سر نکال کر کشتی کی طرف دیکھا۔

حملہ

معاً میں نے چھوٹا بلّم کھینچ مارا۔ کھچ کی آواز ہم نے سنی۔ سمجھ گئے کہ چھوٹا بلّم اس کے جسم میں گھس گیا۔ چوٹ کھا کر مچھلی نے غوطہ مارا ساتھ ہی آٹھ دس

چھوٹے چھوٹے بلّم اور بھی اس پر پڑے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتنے بلّم اسکے چُبھے لیکن یہ ضرور ہے کہ مچھلی تڑپی۔ اس کے تڑپنے سے ہم نے کشتیاں دور ہٹا لیں۔ سمندر کے پانی میں ہلچل مچ گئی۔ اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں اور کشتیاں زور زور سے ہلنے لگیں۔ کشتیاں پیچھے ہٹیں تو مچھلی نے نکل بھاگنا چاہا۔ یہ دیکھ کر ہم نے کشتیوں کا گھیرا چھوٹا کرنا شروع کر دیا۔ پھر اس کے پاس پہنچ گئے۔ ہم کو پاس دیکھ کر اس نے پھر غوطہ لگایا لیکن جلد ہی پھر ابھری اب کی بار پھر چاروں طرف سے بلّموں کی بوچھار ہوئی۔ مچھلی کے جسم میں [illegible] جگہ بلّم گھس گئے۔ زیادہ زخم کھا کر مچھلی تڑپی اور اس نے اپنی دُم چلا دی۔ ایک کشتی اس دُم کے لگنے سے الٹ گئی۔ اس کشتی کے سوار تیرتے ہوئے بھاگے۔ مچھلی ان پر جھپٹی تو اب ہم نے تیروں سے حملہ کیا اور کشتی اس کے قریب کرنے لگے۔ قریب پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ مچھلی سُست ہو رہی ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ اب وہ بہت زیادہ زخمی ہو چکی ہے۔ ہم اس کے اتنا قریب ہو گئے کہ جال پھینک سکیں۔ اب پانچویں کشتی بھی مدد کو آ گئی تھی۔ ہم نے چاروں طرف سے جال پھینکا۔ مچھلی جال میں پھنسی اور پھر تڑپی۔ ہماری کشتیاں اب بہت ہی ڈانوا ڈول ہو رہی تھیں پھر بھی کسی نے ہمت نہیں ہاری۔ پندرہ بیس آدمی جال کھینچنے لگے، باقی نے بڑے بلّم تانے۔ مچھلی تڑپتی ہوئی ہماری طرف کھنچ رہی تھی۔ بلّموں کی دوری پر آئی تو ہم نے اسے بلّموں سے چھیدنا شروع کر دیا۔ لگ بھگ آدھا گھنٹہ ہم اس طرح حملہ کرتے رہے آخر ہم نے اسے بے دم کر دیا۔ جال کشتیوں میں باندھے اور واپس چلے۔

ہمارے دو آدمی

جن ساتھیوں کی کشتی ڈوب گئی تھی وہ ہم سے دور تیر رہے تھے۔ اب وہ ہماری طرف اور ہماری کشتیاں ان کی طرف بڑھیں۔ ہم نے دیکھا کہ اس کشتی کے دس ماہی گیروں میں سے آٹھ ہی ہیں۔ جب وہ ہماری کشتیوں پر آ گئے اور دم لیا تو ہم نے پوچھا "ہمارے دو آدمی کہاں ہیں؟" انھوں نے بتایا "ڈگرموٹو مچھلی کی مار نہ سہہ سکا وہ ڈوب گیا لیکن بارگولہ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں کدھر تیرتا چلا گیا۔ ہم نے اسے دیکھا ہی نہیں۔"

یہ سُن کر دُور دُور تک ہم نے نظریں ڈالیں۔ بارگولہ ہمیں نظر نہیں آیا۔ اب سورج ڈوب رہا تھا۔ ہم سمندر کے کنارے کی طرف کشتیاں کھینے لگے۔ زیادہ اندھیرا نہیں ہوا تھا کہ کنارے پہنچ گئے۔ کنارے پہنچ کر کشتیوں سے اُترے۔ مچھلی کو بھی کھینچا۔ مچھلی بہت بڑی اور بھاری تھی۔ اسے پانی سے نکالنے میں بھرپور زور لگانا پڑا۔ کسی نہ کسی طرح اسے زمین پر لے آئے۔ ہم تھک کر چور ہو گئے تھے۔ سوچا کہ رات بھر آرام کر لیں، صبح کو اسے صاف کریں گے۔ اسے ناپا تو دس گز سے ایک ہاتھ کم تھی۔

بارگولہ مچھلی کے پیٹ میں

صبح کو سو کر اٹھے تو مچھلی کو صاف کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کا

پیٹ پھاڑا۔ پیٹ پھاڑا تو ہم سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ہم نے دیکھا کہ مچھلی کے پیٹ سے بارگولہ نکلا۔ وہ بالکل سفید ہو رہا تھا۔ بدن میں خون نام کو نہ تھا۔ وہ مچھلی کی چکنائی اور تیل میں لتھڑا ہوا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ مر چکا ہوگا لیکن جب چکنائی صاف کی تو اس کا بدن ذرا ذرا گرم تھا اور ذرا ذرا سانس بھی چلتی معلوم ہوئی۔ یہ دیکھ کر کچھ امید بندھی۔ ہم اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگے۔ ہم نے جھٹ مچھلی کی چربی گرم کی اور اس کے بدن پر ملنا شروع کر دی۔ ساتھ ہی تیل اس کے نتھنوں میں ٹپکایا۔ ہم دو گھنٹے تک یہی کرتے رہے۔ جب سورج ذرا اونچا ہوا تو ہماری خوشی اور بڑھی۔ بارگولہ کی سانس کچھ تیز ہوئی۔ ہم نے مالش کرنا بند کر دی۔ اسے دھوپ میں چھوڑ دیا۔ دو آدمی اس کے ہاتھوں کو سینے پر لاتے اور پھر واپس لے جاتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کروٹ دیتے۔ اس طرح ایک گھنٹہ اور محنت کی تو بارگولہ نے دھیرے سے "اونہ" کی یعنی وہ کراہا۔ ہم سمجھ گئے کہ اللہ نے مہربانی کی، وہ بچ جائے گا۔

ہم نے اسے دھوپ میں چھوڑ دیا۔ اس کے آس پاس اور اوپر کپڑا تان دیا۔ یہ انتظام کر کے چار آدمی اس کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑے، باقی مچھلی کو کاٹنے اور حصہ لگانے میں لگ گئے۔ پچاس آدمیوں نے ظہر کے وقت تک محنت کی تو مچھلی کے حصے بخرے ہو سکے۔ میرا حصہ بھی برابر لگایا گیا میں نے اپنا حصہ اس شخص کو دیدیا جس کے گھر میں مجھ کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ ہم اپنے اپنے حصے لے کر گاؤں کی طرف چلے۔ بارگولہ کو ایک تختے پر لٹایا۔ آٹھ آدمیوں سے کہا کہ تم چار چار آدمی اسے باری باری سے اٹھا کر لاؤ۔ ہم سامان گاؤں میں پہنچا کر تمھاری مدد کو پھر آتے ہیں۔

گھریلو علاج

یہ کہہ کر ہم آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد کچھ لوگ بارگولہ کو لینے گئے۔ بارگولہ گاؤں میں آیا تو میں نے دیکھا کہ گاؤں کی ساری عورتوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ ساری عورتوں کے ہاتھوں میں چراغ تھے، چراغوں میں مچھلی کا تیل جل رہا تھا۔ ان عورتوں نے بارگولہ کے گرد گولائی سے پھرنا شروع کر دیا۔ جب وہ اس کے گرد پھر رہی تھیں تو بالکل خاموش تھیں۔ ان کی نظریں بارگولہ پر تھیں اور وہ بار بار چراغ کی لَو اس طرح اس کی طرف کر رہی تھیں جیسے اپنے یہاں ہم کسی کو دھونی دیتے وقت کرتے ہیں۔ عورتوں کے اس عمل سے رات کے پچھلے پہر بارگولہ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے آنکھیں کھولی ہی تھیں کہ عورتوں نے پکارا۔ "آخوشال مارتا آخوشال مارتا"

یہ آواز سُن کر گاؤں کے مرد دوڑ پڑے۔ میں نے اپنے میزبان سے پوچھا "آخوشال مارتا، آخوشال مارتا کے معنیٰ کیا ہیں؟" اس نے بتایا "ہمارا بھائی موت کے منہ سے لوٹ آیا" سب لوگوں کے ساتھ میں نے بھی جا کر بارگولہ کو دیکھا۔ اب وہ بالکل ہوش میں تھا۔ اس کے جسم میں خون کی لالی بھی دیکھی اور بدن گرم بھی تھا۔ ہم یہ دیکھ ہی رہے تھے کہ بارگولہ کی بیوی مچھلی کا تیل لائی۔ یہ تیل کسی قدر گاڑھا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ تیل میں جنگل کی ایک بوٹی پیس کر ملائی گئی ہے۔ یہ تیل پتوں کے ذریعہ بارگولہ کو پلایا جانے لگا۔ ایک پتے کو موڑ کر اس میں ذرا سا تیل لیتے، تیل بارگولہ کو پلا دیتے، پتہ الگ رکھ دیتے۔ دوسرا

پتہ لیتے پھر تیسرا۔ اس طرح چالیس پتّے کام میں لائے گئے۔ اس کے بعد یہ سب پتّے مچھلی کے تیل میں جلائے گئے۔ اسے پیس کر مرہم بنایا گیا اور اب بارگولہ کو اس کے گھر پہنچایا گیا۔ میں اپنے میزبان کے گھر ٹھہر گیا۔ میں اس انتظار میں ٹھہرا رہا کہ بارگولہ باتیں کرنے لگے تو اس سے اس کی آپ بیتی سنوں۔

بارگولہ کی آپ بیتی

دو مہینے میں بارگولہ چلنے پھرنے کے قابل ہو سکا۔ جب وہ بات کرنے لگا تو اس سے پوچھا گیا کہ تم مچھلی کے پیٹ میں کس طرح جا پہنچے۔ اس نے بتایا کہ "کشتی کے الٹ جانے سے میں سمندر میں گرا تو مجھے ایک تیز سرسراہٹ سی معلوم ہوئی۔ اس کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے میں اندھیرے میں ہوں اور بالکل ہی بے بس اور جیسے پکڑے بغیر کوئی مجھے کھینچ رہا ہو۔ میں ایک نرم، ملائم اور گدگدے رستے سے جا رہا تھا۔ اس رستے میں بڑی پھسلن تھی۔ اس طرح میں ایسی جگہ پہنچا جہاں میرے چاروں طرف گولائی سے چکنی چکنی اور ملائم دیواریں تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ مچھلی کے پیٹ میں ہوں۔ میں ابھی ہوش میں تھا اور سانس لے رہا تھا لیکن اب بڑی گھٹن لگی۔ میں بے دم ہونے لگا۔ میں وہاں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اتنے میں میرے آس پاس کی چکنی اور نرم دیواروں نے ہولے ہولے مجھے دبانا شروع کر دیا۔ میں بے ہوش ہونے لگا۔ پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ ہوش آیا تو ایک تختے پر لیٹا تھا۔ آگے کا حال تم سب جانتے ہی ہو۔"

بارگولہ نے اپنی یہ آپ بیتی سنائی تو گاؤں والوں نے دلچسپی سے سنا اور خوش بھی ہوئے۔ مجھے حضرت یونس علیہ السلام کا وہ واقعہ یاد آنے

لگا جو قرآن میں ہے۔ انھیں بھی ایک مچھلی نگل گئی تھی اور وہ بھی اس کے پیٹ سے زندہ نکل آئے تھے۔ میں قرآن کی وہ آیتیں پڑھنے لگا۔ پھر میں نے وہاں کے لوگوں کو حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ سنایا۔

"اچھا ایسا واقعہ ایک بار اور ہو چکا ہے" لوگوں نے کہا اور پھر بولے "سچ ہے، سچ ہے"۔

اس کے بعد میں اس گاؤں میں کچھ دن اور رہا۔ پھر میں اکتا گیا۔ وہاں کی آب و ہوا میرے لیے مفید نہیں تھی۔ میں وہاں سے چل دیا۔

اِنسان کا رَویّہ

بہت سے انسان ایسے ہیں جو اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں اور غرّاتے ہیں۔ اللہ کے دیے ہوئے رزق پر پلتے ہیں اور اس کی نعمتوں سے لطف اٹھاتے ہیں لیکن۔ انھیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ ان نعمتوں کے پانے کے بعد اپنے مالک کا شکر ادا کریں اور اُس کے احسانات کے بدلے اس کے حقیقی بندے بن کر رہیں اور اس کی مرضی اور اس کے حکم کے آگے اپنا سب کچھ لٹا دیں لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو کون ہے جو انھیں ناشکرا نہ کہے گا؟

کتّے کی وفاداری

- حدیث کا اثر
- کتّا اور بھیڑیا
- جنگل کی اندھیری رات میں
- خوبصورت چڑیل
- خبردار
- ٹوٹکا
- تلاش
- گھر کی بپتا
- ست سنتان بوٹی
- نیولہ
- ست سرپ
- ست سرپ سے لڑائی
- نکتہ

کتے کی وفاداری کے بہت سے واقعات ہم نے کتابوں میں پڑھے ہیں لیکن کتے کی وفاداری کا ایک واقعہ ہمارے ابن بطوطہ نے لکھ کر عجیب و غریب نکتہ نکالا یہ سوچنے کا انداز ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔ واقعہ بیان کرکے ہمارے ابن بطوطہ نے ہم سب کے سوچنے کے لیے جو بات پیش کی ہے، اس سے اس کے ذہن کی پاکیزگی کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

حدیث کا اثر

ایک بار راستے میں مجھے پیاس لگی۔ میرے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک کنواں دکھائی دیا۔ میں اس کنویں کے پاس گیا۔ میرے پاس رسّی نہیں تھی۔ میں کنویں میں اتر گیا۔ میں نے پانی پیا اور اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا۔ کنویں سے باہر آیا تو ایک کتے کو دیکھا۔ وہ بہت پیاسا تھا۔ بے چارہ اپنی پیاس بجھانے کے لئے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ دل میں سوچا، اس کتے کو پیاس میں اتنی ہی تکلیف ہو گی جتنی کچھ دیر پہلے مجھے تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مجھے اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد آگئی جس میں ایسے ہی ایک پیاسے کتّے کا ذکر ہے۔ پیاسے کتّے کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا ہے کہ جانوروں پر بھی رحم کرنے سے ثواب ملتا ہے۔ یہ حدیث یاد آنا تھی کہ میں نے اپنے مشکیزے کا پانی کتّے کو پلا دیا۔ کتا پانی پی کر میرے آگے اس طرح

لوٹنے لگا جیسے وہ میرا کوئی پالتو کتا ہو۔ وہ دیر تک میرے آگے لوٹتا اور دم ہلاتا رہا۔ مجھے دیر ہو رہی تھی میں نے کنویں سے اپنا مشکیزہ پھر بھر لیا اور اپنی راہ چل دیا میں دن ہی دن کسی بستی میں پہنچنا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ راستے میں شام ہو گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگلی جانوروں سے سامنا ہو جائے۔ میں بہت تیز چل رہا تھا۔ میں بہت تیز چلا پھر بھی راستے میں مغرب کا وقت ہو گیا میں نے ایک جگہ مغرب کی نماز پڑھی۔ سلام پھیر کر دیکھا تو وہی کتا تھوڑی دور پر بیٹھا تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ سمجھ گیا کہ کتا پیچھے پیچھے یہاں تک آ گیا ہے۔

کتا اور بھیڑیا

ابھی زیادہ اندھیرا نہیں ہوا تھا بستی ابھی دو کوس پر تھی۔ میں نے سوچا کہ کوشش کروں تو عشاء کے وقت تک پہنچ سکتا ہوں۔ یہ سوچ کر اٹھا اور آگے بڑھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اچانک ایک طرف سے ایک بھیڑیا آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے میں ایک دم رک گیا۔ بھیڑیے سے بچنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ میں نے اپنا سامان زمین پر رکھ دیا اور ڈنڈا تان کر کھڑا ہو گیا۔ دل میں طے کر لیا تھا کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تو میں بھی بھرپور وار کروں گا۔ میری نظریں بھیڑیے کی نظروں سے لڑی ہوئی تھیں۔ اچانک میرا ساتھی کتا بھیڑیے کے پیچھے سے آ کر اس کی کمر پر کودا اور اس نے اس کی دم چبا ڈالی۔ بھیڑیا بلبلا گیا۔ غرّا کر مڑا اور کتے پر جھپٹ پڑا۔ میں نے اپنے دوست کو بھیڑیے کی زد میں دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں ڈنڈا تانے ہوئے

تھا ہی، بھیڑیے کے پیچھے لپکا۔ پاس پہنچ کر پوری طاقت سے ڈنڈا اسی جگہ مارا جس جگہ کتے نے کاٹا تھا۔ بھیڑیا چوٹ پر چوٹ کھا کر لوٹ پڑا اور چاہا کہ مجھے جھپٹ کر دبوچ لے کہ کتا پھر بجلی کی طرح تڑپا اور پھر بھیڑیے کی کمر پر پہنچ کر اسی جگہ منہ مارا جس جگہ پہلے دانت جما دیئے تھے اب بھیڑیے کا حال یہ تھا کہ جب وہ کتے کی طرف مڑتا تو میں زور سے ڈنڈ دھمک دیتا اور جب وہ میری طرف رخ کرتا تو کتا جھپٹ کر اس کی دُم چبا ڈالتا۔ اس طرح مار کھا کر بھیڑیا بوکھلا گیا۔ وہ زخمی بھی بہت ہو چکا تھا۔ اس نے ہار مان لی اور ایک طرف بھاگ گیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کتا میرے پاس آکھڑا ہوا۔ بھیڑیے سے میری یہ لڑائی آدھ گھنٹہ ہوتی رہی۔ اب اندھیرا زیادہ ہو گیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پاس ہی ایک بڑا سا پیڑ تھا اسی پر جا کر بسیرا کیا۔ روکھا سوکھا جو کھانا میرے پاس تھا، پیڑ پر بیٹھے بیٹھے کھایا، پانی پیا۔ میرے پاس سوکھے گوشت کے ٹکڑے تھے میں نے دو ٹکڑے کتے کے آگے ڈال دیئے۔ وہ انھیں کھانے لگا۔ میں نے رات کے وقت اسی درخت پر جگہ بنالی اور آرام سے لیٹ گیا۔ کتا پیڑ کی جڑ پر اگلے پاؤں پھیلا کر پڑ رہا۔

جنگل کی اندھیری رات میں

ابھی آدھی رات گزری تھی کہ میں نے کتے کے بھونکنے کی آواز سنی۔ میری پہلی نیند ہو چکی تھی، میں جاگ اٹھا، درخت کے نیچے دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا، کتا دوڑ کر ایک طرف گیا اور جھٹ لوٹ آیا۔ واپس آکر اس نے میری طرف منہ اُٹھایا پھر پنجوں سے پیڑ کے تنے کو اس طرح پکڑا جیسے وہ چڑھنا چاہتا ہو۔ وہ نہ چڑھ

سکا تو جڑ میں منہ ڈال کر اس طرح کوں کوں کرنے لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ جلدی آئیے اور ساتھ چل کر دیکھیے، کیا ہے؟

میں پہلے تو کچھ نہ سمجھ سکا لیکن جب کتا بار بار گیا اور آیا تو میں نے اس طرف دیکھا جدھر لپکتا جاتا تھا۔ کچھ دور پر روشنی دکھائی دی۔ روشنی ایسی تھی جیسے کسی نے گھاس پھوس جلا یا ہو۔ پیڑ پر سے روشنی کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میرے دل میں دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔ میں نے پھر نظر جما کر دیکھا تو جہاں جہاں تک روشنی پھیلی ہوئی تھی، وہ جگہ مرگھٹ سی معلوم ہوئی۔ جلی ہوئی راکھ اور ہڈیوں کے ڈھیر کئی جگہ دیکھے۔ میرے دل نے کہا "شاید لوگ کوئی مردہ جلانے آئے ہوں" مگر مجھے نہ کہیں مردہ نظر آیا نہ لوگ۔ "یا اللہ! ایسی بھائیں بھائیں کرتی ہوئی اس اندھیری اور بھیانک رات اور مرگھٹ میں روشنی کیوں ہے؟ میں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا۔ کتا اب بھی آ اور جا رہا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اب اس نے بھونکنا بند کر دیا تھا میں پھر مرگھٹ کو دیکھنے لگا۔ اب کی بار میں نے دیکھا کہ ایک طرف کوئی چیز ہلی۔ کالی کالی ایک گٹھری سی تھی۔ اسے ہلتا دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ میں نے اسکے پاس ہی ایک گھڑا رکھا دیکھا۔ مرگھٹ کے وہ حصے جہاں روشنی نہیں تھی بڑے ڈراؤنے لگ رہے تھے۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا تعجب بھی تھا۔ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ایک طرف سے سایہ سا آتا دکھائی دیا۔ قدآدم کوئی سر سے پیر تک کالی چادر اوڑھے گٹھری اور گھڑے کی طرف آ رہا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں ایک سے ایک بھیانک بن میں رہا ہوں، شیر اور چیتے سے میرا سامنا ہوا ہے، طرح طرح کے خطروں سے دوچار ہوا ہوں لیکن مجھ کو ایسا ڈر کبھی نہ لگا جیسا اس وقت لگ رہا تھا۔ پھر یہ کہ میں مرگھٹ سے دور ایک پیڑ پر بیٹھا تھا۔ خطرہ کاہے کا۔ پھر بھی میرے اندر کی سانس

اندر رکتی محسوس ہوئی۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے اس چلتی ہوئی سیاہ چادر کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ چلنے والا گھڑے کے پاس جا کر رکا۔ میں نے اس پر نظریں جما دیں۔ دل میں کہنے لگا "یا اللہ! یہ کیا ہے؟ یہ ضرور کوئی بلا ہے۔ بلا کا خیال آیا تو میں نے پہلے "اعوذ بنین" پڑھی۔ اس کے بعد آیۃ الکرسی اور پھر سورۂ جن تلاوت کرنے لگا۔ میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے دیکھا

خوبصورت چڑیل

اس نے چادر اتار کر ایک طرف رکھ دی۔ جیسے ہی اس نے چادر اتاری ویسے ہی میری زبان سے نکلا "عورت!" اور میں نے ایک لمبی سی سانس لی۔ جی ہاں عورت! وہی عورت جسے لوگ کمزور، ڈرپوک، اور بھولی بھالی سمجھتے ہیں۔ وہ ۲۲ بائیس سال کی ایک نہایت خوبصورت عورت تھی۔ اس کا جسم چھریرا اور بڑا سڈول تھا اس کے ہاتھ میں ایک لٹیا تھی۔ لٹیا لیے وہ گھڑے کی طرف بڑھی۔ لٹیا گھڑے کے پاس رکھ دی۔ گٹھری پھر ہلی۔ اس نے گٹھری پر ایک نظر ڈالی پھر جلدی، جلدی اپنے سر کے بال کھول ڈالے۔ بال کھول کر ایک جھٹکا دیا۔ بال پیچھے پشت پر جا پڑے اور وہ کھڑی ہو گئی۔ کھڑے کھڑے اس نے اپنی انگیا اور ساری کھول کر ایک طرف رکھ دی۔ وہ بالکل ننگی ہو گئی، مادر زاد ننگی۔ میں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ لیکن مجھے تو ایک کھوج تھی میں نے پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی جلدی نہا رہی تھی۔ اسے ننگی دیکھ کر میں نگاہیں پھیر لیتا تھا۔ ایک بار جو دیکھا تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ وہ مادر زاد ننگی کھڑی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک چمکدار چھری تھی اور

اس کا چہرہ خون کی طرح لال ہو رہا تھا۔ اب تو میں سمجھ گیا کہ وہ خوبصورت چڑیل کچھ کر گزرنے والی ہے۔ ہاں میرے سوا کوئی اور ہوتا تو اسے چڑیل ہی سمجھتا لیکن میں تو مسلمان ہوں۔ میں بھوتوں چڑیلوں کو نہیں مانتا۔ اچھا تو میں نے اسے اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ کتّا ابھی تک اپنی وہی حرکت کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ ادھر جاتا اور آتا اور مجھے اشارے کرتا کہ جلد چلیے چل کر دیکھیے تو یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں جھٹ پیڑ سے اترا۔ دبے پاؤں اس کی طرف بڑھا۔ میں نے اپنا مضبوط ڈنڈا مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ کتّا میرے ساتھ تھا۔ میں نے کتّے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ میرے ساتھ ہو لیا۔ آگے بڑھ کر میں نے ایک درخت کی آڑ لی اور یہ ٹوہ لینے لگا کہ دیکھوں اب یہ کیا کرتی ہے۔ نوجوان عورت داہنے ہاتھ سے چھری پکڑے رہی، بائیں ہاتھ سے اس نے گٹھڑی کو کھولا۔ گٹھڑی کھلی تو اس کے اندر سے ایک لڑکی نکلی۔ چار پانچ سال کی دبلی پتلی لڑکی۔ لڑکی بے ہوش تھی۔ جنگل کی ہوا لگی تو لڑکی ہوش میں آ گئی۔ اسے ہوش میں آتے دیکھ کر عورت اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی اور پھر چھری مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اونچا کیا تو اس میں شک نہیں کہ میں سہما ہوا تھا پھر بھی میری زبان سے آپ سے آپ نکل گیا۔

خبردار!

اور میں جھپٹ پڑا۔ ساتھ ہی کتّا بھونک کر اچھلا۔ عورت نے مجھے دیکھا تو ذرا کی ذرا ہکّا بکّا رہ گئی۔ پھر اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ دانت پیس کر بولی۔ "حرامی! کلیجہ چبا جاؤں گی۔" ساتھ ہی میرے اوپر چھری کا وار کر دیا۔ عورت نے بھرپور وار کیا تھا۔ میرے خیال میں بھی نہ تھا کہ عورت

مجھ پر چھری سے حملہ کر دے گی۔ میں تو لڑکی کو بچانے آگے بڑھا تھا۔ ”ارے“ کہہ کر میں ایک طرف جھک گیا۔ اس کا وار خالی گیا تو اس نے دوسرا وار کرنا چاہا لیکن اتنی دیر میں کتّے نے اچھل کر اس کی کلائی دبوچ لی۔ ایک چیخ اس کے منہ سے نکلی اور چھری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔

لڑکی اب کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ یہ سب تماشا دیکھ رہی تھی اور حیران و پریشان تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ یہ تو سمجھ چکی تھی کہ میں نے اسے خوبصورت چڑیل سے بچایا ہے اس لیے وہ دوڑ کر آئی اور میری ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اتنی دیر میں کتّے نے عورت کو پنجوں سے زخمی کر دیا تھا۔ عورت ”ہائے رام ہائے رام“ چیخ رہی تھی۔ میں نے کتّے کو چمکارا۔ وہ میرے پاس آ گیا۔ جب کتّا میرے پاس آ گیا کھڑا ہو گیا تو عورت سر نیچا کر کے بولی ”ہائے رام! یہ کون اس سمے یہاں آ گیا؟“ پھر اسے اپنے ننگے ہونے کا احساس ہوا تو جلدی سے ساری اٹھا کر لپیٹ لی۔ میں نے ڈانٹ کر کہا ”صاف صاف بتا، یہ کیا بھید ہے، نہیں تو ابھی اس کتّے سے نچوا ڈالوں گا اور لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تو کون ہے؟ کہاں کی رہنے والی ہے یہ بچی کون ہے تو اسے یہاں کیوں قتل کر رہی تھی؟ سارا حال سچ کہنا، یاد رکھ تو اس وقت میرے رحم و کرم پر ہے۔“

ٹوٹکا

نظریں نیچی کیے کیے بتانے لگی کہ میں ایک اچھے کھاتے پیتے اور مالدار گھرانے کی ہوں۔ چھ برس ہوئے میری شادی ایک اونچے گھرانے کے نوجوان سے ہوئی تھی۔ میرا شوہر مجھ سے بڑا ہی پریم کرتا تھا لیکن چھ برس ہوں

ہیں کوئی اولاد نہ ہوئی تو اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور دوسری ناتے دار عورتوں نے مجھے بانجھ کہنا شروع کر دیا اور میری ساس پر دباؤ ڈالا کہ بیٹے کی دوسری شادی کر دے۔ یہ سُن کر میں بہت پریشان ہوئی۔ ایک بوڑھی عورت نے ٹوٹکا بتایا کہ "کسی کی پہلی اولاد کا خون، مرگھٹ میں جا کر نہانے کے بعد ٹھیک آدھی رات کے وقت پیا جائے تو اولاد ہونے لگے گی۔" یہ جو کچھ میں کرنے والی تھی، یہ اس بوڑھی عورت کا بتایا ہوا ٹوٹکا تھا۔"

یہ کہہ کر نوجوان عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے "لاحول" پڑھی۔ اس عورت سے کہا "اچھا اب تو جا سکتی ہے۔" وہ لٹیا لے کر ایک طرف چل دی۔ لڑکی کو میں اپنے ساتھ لے آیا۔ اپنے ساتھ پیڑ پر لے گیا اور آرام سے لٹا دیا۔ لڑکی لیٹتے ہی سو گئی۔ میں ایک طرف سکڑ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ عورت نے لڑکی کا پتہ نہیں بتایا۔ اب میں صبح اسے کہاں لے جاؤں گا؟ میں رات بھر یہی سوچتا رہا اور مشرک لوگوں کے وہم اور ان کی توہم پرستی پر افسوس کرتا رہا۔

تلاش

دوسرے دن میں لڑکی کو لے کر اس کے گاؤں پہنچا۔ گاؤں میں لڑکی کے گم ہو جانے سے ایک کھلبلی مچی تھی۔ لوگ اس کی کھوج میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ میرے ساتھ لڑکی کو دیکھا تو لوگوں نے سوالات کی بوچھار کر دی "تم کون ہو؟......" "یہ لڑکی تم کو کہاں ملی؟"...... "یہ جنگل میں کیسے پہنچی؟"...... "تمھارا نام کیا ہے؟"...... تم کسی دوسرے دیس کے آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

اس طرح کے سوالات ہر ملنے والا کرتا۔ میں ہر ایک کو ایک ہی جواب دیتا، میں نے ایک ڈائن کو دیکھا۔ وہ اسے جنگل میں قتل کرنے والی تھی میں نے دیکھ لیا اور بچا لیا۔ وہ عورت بھاگ گئی۔"

میرے یہ بتانے پر طرح طرح کے سوالات ہونے لگے۔ وہ عورت کون تھی، اس ڈائن کا نام بتاؤ! نام نہیں معلوم تو پہچان بتاؤ؟ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ تم ہمارے گاؤں کے ٹھاکر کے پاس چلو، تم کو انعام ملے گا۔"

میں نے کچھ نہیں بتایا۔ یہی کہتا رہا کہ جب لڑکی میرے ہاتھ آ گئی تو پھر میں نے اس ڈائن کا پیچھا نہیں کیا۔ لوگ مجھے لیکر گاؤں کے ٹھاکر کے پاس پہنچے۔ گاؤں کا ٹھاکر، ٹھکرانی اور اس کے گھر والے لڑکی کے لئے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ لڑکی کو پا کر خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے۔ ٹھکرانی نے دوڑ کر لڑکی کو چھاتی سے لگا لیا۔ اس کے بعد دوڑ کر میرے پاؤں چھو لئے۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے کہا ٹھکرانی صاحبہ! آپ کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ آپ مجھے کانٹوں میں کیوں گھسیٹتی ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے۔ اللہ ہی کی مہربانی سے آپ کی بچی آپ کو ملی۔"

گاؤں کا ٹھاکر بڑے تپاک سے مجھ سے ملا۔ اس نے مجھے اپنے گھر میں ٹھہرا لیا۔ وہ دن رات میری خاطر مدارات میں لگا رہتا۔ اس کی دیکھا دیکھی گھر بھر میرا خیال رکھنے لگا۔ گاؤں بھر کے لوگ میری عزت کرنے لگے۔ گاؤں بھر کے لوگوں سے میری جان پہچان ہو گئی۔ دس گیارہ دن گزرنے کے بعد ایک دن ٹھاکر نے مجھ سے کہا "میرے بھائی! میرے خاندان پر ایک بڑی بپتا پڑی ہے۔ ہم سب بہت پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں لیکن جب سے تم آئے ہو، میرا دل کہتا ہے کہ اگر تم چاہو تو ہماری

بپتا دور ہو جائے گی۔"

ٹھاکر یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔ میں نے دیکھا، وہ بہت ہی اداس تھا۔ میں نے کہا، "ٹھاکر! ہر بپتا اور مصیبت دور کرنے والا تو خدا ہے۔ ہمیں اسی سے دعا کرنا چاہیئے۔ ہاں، اگر مجھ سے آپ کا کوئی کام بن سکے تو میں دل و جان سے حاضر ہوں۔ آپ کی باتوں سے میں یہ تو سمجھ گیا کہ آج کل آپ بہت پریشان ہیں۔ آپ کی پریشانی میں اگر میں کچھ کام آسکوں تو میں یہ ثواب کا کام سمجھتا ہوں آپ فرمائیں۔ معلوم تو ہو کہ آپ پر کیا مصیبت آپڑی ہے؟"

گھر کی بپتا

میری اس بات سے ٹھاکر خوش ہو گیا۔ اس نے کہا "بھائی! بات یہ ہے کہ ہم دو بھائی ہیں۔ ہری ہر سنگھ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ ہم نے آپس میں علاقہ بانٹ لیا اور اپنی اپنی جگہ آرام سے رہتے ہیں۔ ہری ہر میرا بڑا اچھا بھائی ہے۔ پانچ چھ برس ہوئے میں نے اس کی شادی بڑے گاؤں کے ٹھاکر کی لڑکی سے کر دی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش خوش رہتا تھا لیکن اتنے دن ہو گئے کوئی سنتان نہیں ہوئی۔ میرے یہاں جو اولادیں ہوئیں وہ سب مر گئیں۔ صرف کملا ہی باقی ہے۔ یہی کملا جسے تم نے ڈائن سے بچایا۔ اگر ہمارے گھر کوئی لڑکا نہ ہوا تو ہمارا اتنا بڑا تعلقہ سب دوسروں کے قبضے میں چلا جائے گا اور ہمارے باپ دادا کا نام مٹ جائے گا۔ میرا خیال تھا کہ ہری ہر سنگھ کے یہاں ہی لڑکا ہوتا تو آگے نام چلتا پر اس کی بیوی بانجھ نکلی۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ہری ہر سنگھ کا دوسرا وِواہ کر دیں۔ لیکن ہری ہر سنگھ کے خسر ٹھاکر چنچل سنگھ نے کہلا بھیجا ہے کہ اگر گھر میں دوسری بیوی

آئی تو لٹھ چل جائیں گے۔ ہماری یہ ہمت نہیں کہ بڑے گاؤں کے ٹھاکر دل کا مقابلہ کر سکیں کئی دن ہوئے ٹھاکر چنچل سنگھ دیوانی کو لے بھی گئے۔"

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں ؟" میرے یہ پوچھنے پر ٹھاکر نے کہا" ہم سب اس کوشش میں تھے کہ ہماری دیورانی کا بانجھ پن دور ہو بہت دارو دارو علاج کیا۔ آخر میں بید جی نے بتایا کہ دیورانی کا علاج ہو سکتا ہے مگر اس وقت جب ایک بوٹی مل جائے۔"

"وہ کون سی بوٹی ؟" میں نے ٹھاکر سے پوچھا۔ ٹھاکر نے کہا" میں نے اسی طرح جھٹ بید جی سے پوچھا تھا۔ بید جی نے اس بوٹی کا نام "ست سنتان" بتایا ہے۔"

"تو پھر وہ بوٹی منگائی کیوں نہیں ؟"

"بھائی اس بوٹی کا ملنا کچھ بھی مشکل نہیں لیکن اس کے ملنے کے بعد ایک بڑا خطرہ ہے۔"

"وہ کیا ؟"

"خطرہ یہ ہے، اس بوٹی پر "ست سرپ" موہت ہے۔ ست سرپ اس بوٹی پر رات کے وقت کنڈلی مار کر بیٹھتا ہے۔ دن کو ہٹ جاتا ہے۔ اگر کوئی جنگل سے اس بوٹی کو لے بھی آئے تو رات کو ست سرپ اسے ڈس جاتا ہے اور پھر ست سنتان لانے والا زندہ نہیں رہتا۔ اس لئے کوئی ہمت نہیں کرتا۔ میرے بھائی ! جب سے میں نے تم کو دیکھا ہے، میرا دل کہتا ہے کہ تم وہ بوٹی لا سکتے ہو اور ست سرپ تمھارا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا۔"

"ٹھاکر ! خطرہ تو سب کے لئے خطرہ ہے۔ آخر اس سانپ سے بچنے کی بھی تو کوئی تدبیر ہو گی۔"

"کوئی تدبیر نہیں میرے بھائی! لاکھ جتن کرو، گھر کے چاروں طرف آگ جلادو پھر بھی نہ جانے وہ کدھر سے آجاتا ہے اور ست سنتان بوٹی لانے والا جاہے جس کوٹھری میں سو رہا ہو، اسے ڈس جاتا ہے۔"

"بہرحال موت اور زندگی اللہ کے بس میں ہے اگر میری موت اسی طرح لکھی ہے تو میں دیورانی کے لئے اپنی جان جوکھم میں ڈالوں گا۔ آپ اس بوٹی کا اتہ پتہ بتائیے۔"

ست سنتان بوٹی

اس بات چیت کے بعد ٹھاکر نے بوٹی کا پتہ بتایا۔ اس کی پہچان بتائی اور اسی دن گاؤں بھر میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ میں ست سنتان بوٹی لینے جنگل کو جاؤں گا۔ یہ خبر بڑے گاؤں کو پہنچی تو میں نے دیکھا، ایک دن ٹھاکر چنچل سنگھ دیورانی کو لے کر آئے اور مجھے پوچھا۔ مجھے دیکھتے ہی دیورانی میرے قدموں پر گر پڑی "میرے بھائی! تمھارا مجھ پر احسان ہے اور اب تم دوسرا احسان کرنے جارہے ہو۔" میں نے دیورانی کو دیکھا۔ میں ہکا بکا رہ گیا۔ "اف میرے اللہ! وہ ڈائن دیورانی نکلی۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

یہ بات سب نے سُنی۔ کسی نے پوچھا "دیورانی! انھوں نے تجھ پر آج سے پہلے کیا احسان کیا؟" اس سوال پر دیورانی بھی گھبرا گئی۔ میں بھی گھبرایا کہ کہیں یہ حال نہ کھل جائے کہ دیورانی ہی ڈائن بن کر کملا کو چرا لے گئی تھی۔ دیورانی میری اس بات سے بہت خوش تھی کہ میں نے اس کا بھید چھپایا۔ وہ تھوڑی دیر تو ہکا بکا سی رہی پھر بولی۔ "ان کا یہ احسان کیا کم ہے کہ انھوں نے میری کملا کو ڈائن سے بچایا۔"

"اچھا، یہ بات ہے۔" لوگوں کو اطمینان ہو گیا۔ بڑی خوبصورتی سے دیورانی نے بات ٹال دی۔

دوسرے دن میں نے اپنا تھیلا لیا۔ میرا کتا میرے ساتھ چلا۔ کچھ دور چلنے کے بعد دل نے کہا "دوسروں کی بلا اپنے سر لینا عقلمندی نہیں۔" لیکن میں نے دل کی بات نہیں مانی۔ میں جنگل میں چھ سات کوس چلا گیا۔ بڑا ہرا بھرا جنگل تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ جنگل میں کوئی خطرناک جانور نہیں ملا۔ مجھے کیلوں کے کچھ پودے نظر آئے۔ میں اسی طرف گیا۔ ایک کیلا گرا پڑا تھا۔ اس کی جڑیں کھودا تو مجھے "ست سنتان" بوٹی مل گئی۔ میں بوٹی لے کر واپس ہوا

نیولہ

لوٹتے میں میرا کتا ایک طرف جھپٹا اور پھر میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سا نیولہ اس کے پنجوں سے زخمی ہو کر دور جا گرا۔ کتا پھر جھپٹا لیکن میں نے اسے روکا۔ میں نے لپک کر نیولے کو اٹھا لیا۔ اپنے تھیلے سے مرہم نکالا۔ نیولے کے زخموں پر لگایا۔ روٹی کے کچھ ٹکڑے نکالے، وہ اسے دیئے۔ اس نے کتر کتر کر کھایا اور پھر اس طرح میری گود میں آ بیٹھا جیسے وہ برسوں سے پلا ہوا ہو۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا نرم نرم چکنا بدن سہلایا پھر مسکرا کر کتے سے کہا "چلو" اچھا ہوا۔ تم ایک ہمارے ساتھی تھے، ایک دوست اور مل گیا۔ اب ہم تین دوست ہو گئے۔" کتا انسان کی بات کیا سمجھے، مگر جب کتے نے دُم ہلا کر اور سر جھکا کر نیولے کو دیکھا تو میرے دل نے کہا کہ اسے یہ ساتھی پسند ہے۔

میں نے نیولے کو کندھے پر بٹھا لیا۔ ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ گاؤں

میں آگیا۔ بیدجی ٹھاکر کے گھر آگئے تھے۔ مجھے دیکھ کر پوچھنے لگے "بوٹی مل گئی ؟" میں نے کہا "ہاں" اور بوٹی بیدجی کو دیدی۔

دیورانی اور چینچل سنگھ دونوں یہیں موجود تھے۔ دیورانی نے باپ سے کہا کہ ایسے محسن کی جان کی حفاظت کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

گاؤں میں "ست سرپ" سے بچانے کے جتن شروع ہوگئے۔ ٹھاکر نے ڈھیروں تلسی کی پتیاں گھر کے آس پاس بچھوا دیں۔ کہتے ہیں کہ تلسی پر سانپ نہیں آتا۔ ایک کوٹھری میں میرے سونے کا انتظام کر دیا اور اس میں چاروں طرف دیئے جلا دیئے۔ کوٹھری کے دروازے پر کوئلے جلا کر رکھ دیئے گئے۔ کوٹھری کے ایک طاق میں ڈبے کے اندر بوٹی رکھدی گئی اور میں وہیں پہنچا دیا گیا۔ میرا کتا میرے پلنگ کے نیچے جا بیٹھا اور چیکو میاں پائنتی بستر میں جا دبکے۔ میں کوٹھری میں نماز پڑھنے لگا۔ چینچل سنگھ، دیورانی اور دیورانی کا دولھا ہری ہر سنگھ صحن میں مشعل جلا کر اور لٹھ لے کر بیٹھے۔ بہت سے لوگ گھر کے چاروں طرف ہانک پکار کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں کوٹھری میں اپنے پلنگ پر جا بیٹھا اور تلاوتِ کلامِ پاک کرنے لگا۔

ست سرپ

کوئی آدھی رات بیتی ہوگی کہ میں نے ایک سرسراہٹ سنی اور کوٹھری میں ایک پھنکار کے ساتھ دیئے بجھ گئے۔ میں اٹھ کر پلنگ پر کھڑا ہوگیا لیکن اندھیرے میں مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ ہاں یہ ضرور سنا کہ یکدم کتا بھونکا اور پلنگ کے نیچے سے اچھلا۔ دوسری طرف مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میاں چیکو بھی پائنتی سے نکلے اور چمک کر کودے اور میں نے صرف "پچ" کی سی آواز

سُنی اور پھر کتے، سانپ اور نیولے کی ملی جلی آوازیں "شوفوں، غُرر، غُرر، شوف شوف"، اس طرح کی آوازیں میرے پلنگ کے آس پاس آنے لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان تینوں میں دھر ٹپک ہو رہی ہے۔ میں نے گھر کے لوگوں کو آواز دی، مشعل دکھاؤ۔ وہ لوگ بھی دیئے بجھنے اور کتے کے بھونکنے سے چونک پڑے تھے لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ کوٹھری کے دروازے کے پاس آئے۔ آخر دیورانی ہی وہ ہمت والی نکلی کہ سب سے پہلے مشعل لے کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ مشعل کی روشنی میں دیکھا گیا تو لوگوں کے ہوش اُڑ گئے۔ میں بھی خوف کے مارے پسینے پسینے ہوگیا۔ سات ہاتھ کے کالے کوڑیالے ایک سانپ کی گردن میں چیکو میاں (نیولے) نے دانت جما دیئے تھے۔

ست سرپے لڑائی

سانپ نیولے کو زمین پر پٹک رہا تھا۔ نیولہ بلاف کی طرح لٹکا ہوا تھا مگر چھوڑتا نہیں تھا۔ دوسری طرف میرے پرانے رفیق کتے نے سانپ کے رستے دار جسم میں ٹھیک بیچ دبیچ منہ بھر لیا تھا۔ سانپ کی دُم کا سرا کتے کے جسم میں بری طرح جکڑا تھا اور اس طرح ان تینوں میں جنگ ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ تینوں خطرے میں ہیں۔ سانپ کو دو جگہ سے میرے نئے پرانے دونوں رفیقوں نے جکڑ رکھا تھا اور سانپ نیولے کو زمین پر پٹخنی دے رہا تھا اور کتے کے جسم میں بل ڈالے اس کی پسلیاں توڑے دے رہا تھا۔

مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اپنا ڈنڈا اٹھایا۔ سانپ کے جسم کا وہ حصہ جو کتے اور نیولے کی پکڑ کے بیچ میں تھا اور اسی کے بل بوتے سانپ نیولے کو دھر ٹپک رہا تھا میں نے اسی پر ڈنڈے کی چوٹ ماری، ایک، دو، تین۔

میرے ڈنڈے کی چوٹ سے سانپ کے بدن کی گرہیں ٹوٹیں۔ وہ لہرانے لگا۔ اب وہ نیولے کو پٹک نہیں سکتا تھا۔ ادھر کتے کے بدن میں اس نے جو بل ڈال رکھے تھے وہ بھی ڈھیلے ہوئے۔ اب تو ان دونوں نے سانپ کو چبا چبا ڈالا میں نے سانپ کا پھن کچل دیا۔ پھر سب کو پکارا کہ اندر آ سکتے ہو۔ صحن کے لوگ اندر آ گئے۔ سانپ بے دم اور کٹا پٹا پڑا تھا لیکن افسوس کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد میرا کتا بھی اینٹھنے لگا۔ وہ گھڑونچی کی طرف بھاگا لیکن راستے ہی میں گر گیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ شاید سانپ نے اسے کاٹ لیا تھا۔ ادھر نیولہ بھی پٹخنیوں کی چوٹ سے زخمی ہو گیا تھا۔ وہ بھی زمین پر گر کر پھر نہ اُٹھ سکا۔ بیدی کو خبر ہوئی، وہ ست سرپ کو اٹھا لے گئے۔ کتے اور نیولے کے مرنے کا مجھے بڑا دکھ ہوا۔ میری موت ان دونوں دوستوں نے اپنے سر لے لی اور کتنے سے احسان پر کہ ایک کو میں نے ذرا سا پانی پلا دیا تھا اور دوسرے کے زخموں میں مرہم لگا دیا تھا۔

نکتہ

ہمارے ابن بطوطہ نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد بڑی اچھی بات لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میرے ذرا سے احسان پر دو جانوروں نے تو میری خاطر اپنی جانیں دے دیں۔ اتنا احسان مانا دونوں نے لیکن افسوس کہ ایک انسان ہے۔ اللہ نے کتنے احسانات اس پر کئے۔ ساری مخلوق میں اسے افضل بنایا۔ طرح طرح کی نعمتیں دیں اور وہی انسان ہے کہ اپنے محسن کو پہچانتا بھی نہیں، اس کے احسانات یاد بھی نہیں کرتا اور اگر یاد بھی کرتا ہے تو دوسروں کو اس کا ساجھی ٹھہراتا ہے۔

ہمارا ابن لطوطہ اس گاؤں میں زیادہ دنوں نہیں رہا۔ ہمیں تعجب ہے کہ اس گاؤں میں اس نے اسلام کے بارے میں کسی کو نصیحت نہیں کی۔ یہ بات ہم اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اس واقعہ کے سلسلے میں اسطرح کی کوئی بات نہیں لکھی۔ آخر میں اس نے یہ لکھا ہے کہ وہاں اکثر بیمار رہا۔ شاید وہاں کی آب وہوا اسے راس نہیں آئی۔ اس لئے جلد ہی وہاں سے چل دیا۔ آخر میں اس نے سورۂ عادیات کی یہ آیتیں لکھیں۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ
فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۙ
فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ
لَکَنُوْدٌ ۚ وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰالِکَ لَشَہِیْدٌ ۚ

ترجمہ

(مالک کے اشارے پر ہانپتے ہوئے (بے تحاشا) دوڑنے والے، ٹاپ مار کر چنگاریاں اڑانے والے، صبح کے وقت دھاوا کرنے والے، گرد اڑانے والے، (دشمن کی) فوج میں گھس جانے والے گھوڑے گواہ ہیں، بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس حقیقت پر گواہ ہے۔

انگریز سیّاح کے ساتھ

- ترجمان کی ضرورت
- پیاس
- چھوت چھات
- اسلام اور مساوات
- شودروں کی برات
- نماز کا منظر
- عیدی بھائی کے گھر مہمانی
- انگریز سیّاح کی اسلام سے دلچسپی

ہمارا ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے۔ یہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن اگر کوئی باہر کا آدمی یہاں کی ایک زبان سیکھ لے تو اسے دوسری زبانوں کے سمجھنے میں زیادہ دن نہیں لگتے۔ میں نے ایک سال کے اندر ہی کئی جگہ کی زبانیں سیکھ لیں اور بولنے بھی لگا۔ اس کے بعد جب میں ہندوستان کے کسی حصے میں گیا تو پھر وہاں کے لوگوں سے بات چیت کرنے میں مجھ کو بڑی آسانی ہوگئی۔

یہ لکھنے کے بعد ہمارے ابن بطوطہ نے ایک نہایت دلچسپ اور ایمان کو مضبوط کرنے والا واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

ترجمان کی ضرورت

جب میں آگرہ کا تاج محل دیکھنے گیا تو وہاں میری ملاقات ایک نووارد انگریز عالم سے ہوئی۔ اس انگریز کو یہاں آئے ہوئے دو تین ہفتے ہی ہوئے تھے۔ وہ ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھا جو کچھ انگریزی بھی جانتا ہو اور یہاں کی بولیاں بھی سمجھتا ہو۔

دراصل بات یہ تھی کہ وہ انگریز عالم اس ملک کی دیہاتی زندگی پر ایک کتاب لکھنا چاہتا تھا۔ وہ گھوم پھر کر اس ملک کے گاؤں والوں کا رہن سہن دیکھنا چاہتا تھا۔ ان سے مل کر یہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ ان کا دھرم کیا ہے

ان کے دین دھرم کا اثر ان پر کیا پڑا ہے؟ وہ کس طرح سوچتے ہیں؟ ان کا اخلاق کیسا ہے اور وہ ایک دوسرے انسان سے کتنا میل جول رکھتے ہیں؟

یہ اور ایسی ہی باتوں کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ گاؤں والوں کے ساتھ رہا جائے۔ ان سے کھل کر باتیں کی جائیں۔ انہی سب باتوں کے لئے اس انگریز عالم کو ایک ایسے ترجمان کی ضرورت تھی جو گاؤں والوں کی بات اسے سمجھا سکے اور اس کی بات ان تک پہنچا سکے۔

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جب اس انگریز نے مجھ سے باتیں کیں تو مجھ سے کہنے لگا "آپ بھی سیّاح ہیں۔ آئیے ہم آپ ایک ساتھ گھومیں، ایک ساتھ یہاں سب کچھ دیکھیں بھالیں۔ آپ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو میں آپ کا کُل خرچ اپنے ذمّے لیتا ہوں۔"

یہ انگریز عالم مجھے بھلا آدمی معلوم ہوا۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ آپ کی ہر طرح مدد کروں گا لیکن اس کا کوئی بدلہ آپ سے نہیں لوں گا۔ یہ سُن کر اس نے کچھ دیر کچھ سوچا۔ اس کے بعد کہنے لگا "اچھا، آپ میرے ساتھ چلئے، ہم دونوں مل کر خرچ کریں گے بالکل اس طرح جیسے دو دوست ہوں اور ایک ساتھ سفر کر رہے ہوں۔"

میں مسکرا دیا۔ اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس ملک کی دیہاتی زندگی دیکھنے ہم دونوں نکل کھڑے ہوئے۔ آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ جس علاقے میں گھومیں، اس علاقے میں کوئی ایسا گاؤں نظر میں رکھیں جہاں دن بھر گھوم پھر کر رات بسر کر سکیں اور وہاں ضرورت کی وہ ساری چیزیں مل سکیں جن کی ہمیں ضرورت ہو۔

گرمی کا موسم تھا۔ اس لئے ہم چار گھنٹے دوپہر سے پہلے دیہات کی آبادیوں اور کھیتوں میں گھومتے اور ڈیڑھ گھنٹہ عصر کے بعد۔ اس کے بعد ایک گاؤں میں ٹھہر جاتے اور وہاں جس جگہ کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھتے، وہاں بیٹھ جاتے، ان سے ملتے، باتیں کرتے۔ جو معلومات ہوتیں انگریز عالم اپنی ڈائری میں لکھ لیتا۔

ایک دن کی بات ہے۔ ہم گھومتے گھومتے دور تک نکل گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ گاؤں والے ربیع کی فصل سے زیادہ تر اناج نکال چکے تھے۔ جگہ جگہ کھلیانوں میں اناج کے ڈھیر لگے تھے۔ کسان بوریاں بھر بھر کے اپنے گھروں کو بھیج رہے تھے۔ کھلیانوں میں گیہوں کے پودوں سے اناج نکالنے کا طریقہ انگریز کے لئے ایسا عجوبہ اور دلچسپ تھا کہ آج اسے اس کی بھی خبر نہ ہوئی کہ ہمیں کتنی دیر ہو گئی ہے اور ہم کتنی دور نکل آئے ہیں۔ وہ تو کہئے ہمارے پاس پینے کا پانی ختم ہو گیا تھا تو ہم واپس ہوئے نہیں تو اور نہ جانے کتنی دور نکل جاتے۔ پانی ختم ہونے سے ہم اپنے مستقر کی طرف لوٹ پڑے۔

پیاس

واپسی میں ہوا کا رُخ ٹھیک ہمارے سامنے تھا۔ لُو چل رہی تھی۔ دھوپ بھی سخت تھی۔ ہم نے اپنے سروں سے کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اس طرح گرد وغبار اور لُو سے تو کچھ نہ کچھ بچے رہے لیکن ہمیں پیاس بڑے زور کے ساتھ لگ رہی تھی۔ میں تو خیر پیاس جھیل جاتا۔ میں نے اس موسم میں بھی کبھی روزے نہیں چھوڑے تھے۔ مجھے زیادہ بے چینی نہیں تھی لیکن انگریز عالم راستے ہی میں بول گیا۔ مجھ سے کہنے لگا "کہیں پانی تلاش کرنا چاہیئے۔" میں نے چاروں

طرف دیکھا۔ قریب میں کوئی کنواں نظر نہیں آیا۔ کچھ سوچ کر ایک چھوٹے سے کھلیان کی طرف مڑ گیا۔ اس کھلیان میں مرد عورتیں اور لڑکے لڑکیاں کل ملا کر آٹھ آدمی کام کر رہے تھے۔ ایک طرف ایک بوڑھا بیٹھا چلم پی رہا تھا۔ ہم دونوں اس کے پاس گئے۔ میں نے اس بوڑھے سے کہا "یہاں پانی مل سکتا ہے؟" اس نے ہماری طرف دیکھا۔ انگریز عالم پر اس کی نظر جم گئی۔ وہ کہنے لگا "اس جگہ تو کوئی کنواں بھی نہیں ہے۔"

"پھر ہمیں پانی کیسے ملے؟" میں نے بوڑھے سے کہا۔ کچھ سوچ کر اس نے ہم سے پوچھا:۔

"آپ دونوں کس ذات کے لوگ ہیں؟" میں نے بتایا کہ میں مسلمان ہوں اور یہ صاحب عیسائی ہیں۔"

"ہاں پانی تو میرے پاس ہے مگر آپ دونوں کیسے پئیں گے؟" بوڑھے کسان نے ہم سے پوچھا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کھلیان کے دوسرے لوگ اپنا کام چھوڑ کر ہمارے پاس آ کھڑے ہوئے، مرد بھی، عورتیں بھی اور لڑکے لڑکیاں بھی۔ میں نے بوڑھے سے کہا "ہمارے پاس چمڑے کی چھاگلیں ہیں، ہمیں ان میں پانی دے دو، ہم پی لیں گے۔"

"چمڑے کی چھاگلیں!" بوڑھا کسان اچانک چونکا۔ "دکھائیے کیسی ہوتی ہیں چھاگلیں؟" میں نے اپنی چھاگل اس کے سامنے کر دی۔ اس نے کہا کہ یہ چھاگل تو آپ الگ رکھیے۔ ہاں اگر چلو سے پانی پینا ہو تو پی لیجیے۔"

میں نے انگریز عالم سے یہ باتیں انگریزی زبان میں کہیں۔ اس بیچارے کو پیاس شدت کی لگی ہوئی تھی۔ وہ چلو ہی سے پانی پینے کے لئے تیار ہو گیا۔

ہم دونوں ایک درخت کی جڑ پر بیٹھ گئے۔ بوڑھے کسان نے ایک لڑکے سے کہا کہ پانی لے آئے۔ لڑکا پانی لے آیا۔ ایک کوری ٹھلیا میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ پہلے انگریز عالم نے پھر میں نے چلو سے پانی پیا۔ جب میں پانی پی رہا تھا، اس وقت انگریز عالم بوڑھے کسان کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور رومال سے منہ پونچھنے لگا۔ مجھے پانی پلا کر کسان اٹھا تو اچانک انگریز عالم سے ٹکرا گیا۔

"ارے!" کسان کی زبان سے بھی نکلا اور عورتوں اور بچوں اور مردوں کی زبان سے بھی۔ انگریز کی زبان سے انگریزی میں نکلا "معاف کیجئے گا" دیہاتی کسان اس بولی کو کیا سمجھتے۔ میں نے بوڑھے کسان سے یہی بات کہی تو اس نے جواب دیا "صاحب! معافی کی کوئی بات نہیں مگر ہماری ٹھلیا "چھوت" ہو گئی۔" اور یہ کہہ کر اس نے ٹھلیا زمین پر دے پٹکی۔ انگریز نے مجھ سے پوچھا "یہ کیا ہوا؟" میں نے اس سے ساری بات کہی۔ انگریز عالم کو بہت برا لگا۔ اس نے عجیب سا منہ بنایا پھر شکریہ ادا کئے بغیر ہی وہاں سے چل دیا۔ راستے میں مجھ سے کہنے لگا "یہ کیسے لوگ ہیں جو اپنے جیسے انسان کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ اگر ان کے خیالات ایسے ہی ہیں تو یہ دوسرے انسانوں سے مل کر کس طرح رہتے ہوں گے۔ ان کے اندر ایک دوسرے سے نفرت ہو گی، چھوٹ ہو گی۔ یہ بہت سے ان کاموں سے دور ہی رہتے ہوں گے جو انسانی ہمدردی کے کام ہیں۔

چھوت چھات

انگریز عالم غصے میں اس طرح کی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اسے یہاں

کے لوگوں کی ذات پات کے بارے میں پوری بات بتائی۔ یہاں چار ذاتیں ہیں، برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ برہمن سب سے اونچی ذات کا مانا جاتا ہے، اس کے بعد چھتری، پھر ویش اور شودر کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ دوسرے مذہبوں کے ماننے والے ہیں، انھیں یہ ملکش کہتے ہیں۔ ان کی چھوئی ہوئی چیزیں یہ نہیں کھاتے اور کچا برتن اگر ان سے چھو جائے تو یہ سمجھتے ہیں کہ برتن ناپاک ہو گیا۔

میں اس طرح اس انگریز عالم کو سمجھا رہا تھا۔ وہ ہر بات پر برا سا منھ بناتا جا رہا تھا۔ اس طرح باتیں کرتے میل دو میل ہی گئے تھے کہ پھر پیاس لگی لیکن انگریز عالم نے مجھ سے کہا نہیں۔ وہ پیاس کو برداشت کیے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ جھلسا جا رہا تھا۔ پسینے سے ہم دونوں شرابور تھے۔ جب میرا حلق بالکل خشک ہو گیا تو میں نے سمجھ لیا کہ انگریز عالم کا مجھ سے برا حال ہوگا۔ میں نے اس سے کہا:-

"کیا آپ پانی پئیں گے؟"

"ہاں، مگر .... نہیں پانی نہیں پیوں گا۔"

"کیوں؟"

"پانی ہمارے پاس تو ہے نہیں۔ ہمیں یہیں کے آدمی سے پانی لینا ہوگا اور پھر وہی ...."

"آپ گھبرائیے نہیں، اس بار ایسا نہ ہوگا۔"

"ایسا؟!" انگریز کو تعجب ہوا۔ اس نے کہا "اچھا تو جلد پلوائیے پانی؟"

میں نے سامنے ایک کھلیان دیکھ لیا تھا۔ کھلیان والوں کے بارے میں

بھانپ لیا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں انگریز کو لئے ہوئے اسی کھلیان میں گیا۔ میں نے کھلیان والوں کو سلام کیا۔ سلام کا جواب دینے کے ساتھ ان سب نے کام چھوڑ دیا اور ہمارے پاس آکھڑے ہوئے۔ ایک بوڑھے نے ایک جوان کو کچھ اشارہ کیا۔ اس نے ایک جگہ بھوسہ بکھیر کر اس پر ٹاٹ ڈال دیا، پھر ہم سے کہا "صاحب! بیٹھیے، یہاں یہی ہے!" میں انگریز عالم کو لئے ہوئے ٹاٹ پر جا بیٹھا۔ اب اس کسان نے پھر کچھ اشارہ کیا تو کھلیان والوں نے ایک رومال میں بندھی ہوئی کچھ روٹیاں لاکر ہمارے آگے رکھ دیں۔ رومال کھولا، اسے بچھا کر روٹیاں الگ الگ کر دیں۔ دوسرے لوگ اتنی دیر میں ٹھنڈا پانی لے آئے۔ پھر ہم سے کہا گیا "صاحب! ہاتھ دھو لیجیے اور کھانا کھا لیجیے۔" ہم نے اور ہمارے ساتھ کھلیان کے مردوں نے کھانا کھایا۔ عورتیں اور لڑکیاں الگ بیٹھی ہمیں دیکھتی رہیں۔ انگریز یہ سب بڑی حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور روٹیاں کھا رہا تھا۔ اس سے یہ جو کی روٹیاں زیادہ نہیں کھائی گئیں۔ ہاں پانی اس نے خوب جی بھر کے پیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے جو روٹی کا ٹکڑا بچ گیا تھا وہ ایک نوجوان نے اٹھا کر کھا لیا۔ انگریز کے لئے ان کسانوں کی ایک ایک بات حیرانی اور تعجب میں ڈالنے والی تھی۔ اس کے بعد ایک بات ایسی ہوئی کہ انگریز کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس بوڑھے کسان نے ہم سے کہا "صاحب! یہاں ہم آپ کی کچھ خاطر نہ کر سکے۔ سامنے وہ ہمارا گاؤں ہے، آپ ہمارے گاؤں چلیے آج ہمارے مہمان ہیں آپ دونوں۔ آپ مجھے مسافر معلوم ہوتے ہیں اور کسی دوسرے ملک کے۔ آپ کی مہربانی ہوگی اگر ہمارے گھر قیام فرمائیں۔"

اسلام اور مساوات

میں نے یہی بات انگریز عالم سے کہی۔ وہ سن کر ہکّا بکّا رہ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا "یہ کیسا کسان ہے، شکل و صورت میں اس پچھلے کسان سے ملتا جلتا ہے، کپڑے بھی قریب قریب ویسے ہی پہنے ہے، کھیتی یہ بھی کرتا ہے، وہ بھی گاؤں میں یہ بھی رہتا ہے، وہ بھی انسان یہ بھی ہے اور وہ بھی۔ پھر اس نے اپنے برتن کیوں نہیں توڑے۔ اس نے تو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور اب ہمیں اپنے گھر چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔ بتاؤ میرے بھائی! اس کسان اور اُس کسان میں بات کیا ہے جو نظر نہیں آتی مگر فرق بہت بڑا ہے۔"

انگریز اس وقت پورے جوش میں تھا۔ میں نے اس سے کہا "اس کا مذہب اسلام ہے اور اسلام دوا ور دو سے زیادہ انسانوں کو جوڑنے کی طرف بلاتا ہے۔ اسلام اللہ کے سارے بندوں کو انسان ہونے کے ناتے برابر کا حق دیتا ہے۔ اسلام مساوات سکھاتا ہے۔ ہاں وہ سب سے بڑا بزرگ اور شریف اسے کہتا ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرنے والا ہو، چاہے وہ کسان ہو یا لوہار، کسی پیشے کا کرنے والا ہو، کسی قوم کا ہو، وہ کوئی بھی زبان بولنے والا ہو، کالا ہو یا گورا، مالدار ہو یا غریب، اسلام سب کو برابر کا درجہ دیتا ہے۔"

انگریز عالم غور سے میری باتیں سنتا رہا پھر اس نے مجھ سے پوچھا "جو لوگ اسلام کو مانتے ہیں ان کے عقیدے کیا ہیں؟" میں نے بتایا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں۔ وہ خدا کو

ایک جانتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں جو اچھا برا کرتے ہیں، ایک دن اس کا حساب اللہ کے آگے دینا ہوگا۔ آخرت کے دن ہر چھوٹے بڑے سے اس کے کرتوتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ اس کے بعد اچھے جنّت میں اور بُرے دوزخ میں جائیں گے۔"

"ہُوں" انگریز عالم نے لمبی سانس کے ساتھ کہا "ہمیں اس کسان کی بات مان لینا چاہیے۔"

یہ کہہ کر انگریز عالم پیار بھری نظروں سے کھلیان والوں کو دیکھنے لگا۔ میں نے اس بوڑھے کسان سے کہا "ہم سیر کو نکلے ہیں، چاہتے ہیں کہ شام تک دو چار گاؤں میں گھوم پھر لیں۔ مغرب تک ان شاء اللہ آپ کے گاؤں آجائیں گے۔ آپ کا نام کیا ہے؟"

"عیدی" کسان نے بتایا۔ ہم تھوڑی دیر وہیں ٹھہرے رہے۔ کھلیان والے پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ ایک لڑکے نے عیدی کے اشارے پر ہماری طرف کپڑا تان دیا تاکہ ہمیں لو کے جھونکے کم لگیں۔ میں تو بھوسے پر لیٹ گیا۔ انگریز عالم بیٹھا رہا اور عیدی کے گھرانے والوں کو دیکھتا رہا۔

شودروں کی برات

جب لو کچھ کم ہوئی، دھوپ کی تیزی میں بھی کمی آگئی تو ہم دونوں ایک طرف چل دیئے۔ کچھ دور چل کر شور سنائی دیا۔ ہم اسی طرف چل دیئے۔ سامنے ایک گاؤں تھا۔ گاؤں کے پاس جاکر دیکھا کہ گاؤں والوں نے ایک برات روک رکھی تھی۔ وہ براتیوں سے کہہ رہے تھے کہ ہم تم کو گاؤں سے نکلنے نہیں دیں گے۔ بے چارے برات والے خوشامد کر رہے تھے کہ "رستہ

گاؤں میں ہو کر ہی ہے، دو طرف تالاب اور ایک طرف کھیت ہیں، ہم کدھر سے جائیں؟"

میں نے یہ بات انگریز عالم کو بتائی۔ پھر وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ برات شودروں کی ہے اور اس گاؤں میں برہمن اور ٹھاکر رہتے ہیں۔ وہ نیچی ذات کے لوگوں کو گاؤں سے نہیں نکلنے دیں گے۔

یہ سب میں نے انگریز کو بتایا تو اس نے مجھ سے کہا "دیکھئے وہی نتیجہ نکلا جو میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان لوگوں کے یہ اونچ نیچ والے خیالات انسانوں انسانوں میں پھوٹ ڈالنے والے ہیں۔ یہ اس کی کیسی بری مثال ہے کہ برات والے اس گاؤں سے نہیں نکل سکتے کیونکہ اس گاؤں میں اونچی ذات کے لوگ رہتے ہیں"

آخر ہم نے دیکھا کہ بے چارے برات والے کھیت کی مینڈوں پر چل کر گاؤں کے دوسری طرف راستے پر ہو لیے۔ بیں بیں بیں ڈمرو بجا، نٹا وا دوڑ دوڑ کر ناچنے لگا۔ گانے کی آواز آئی تو انگریز ادھر دیکھنے لگا۔ مجھ سے بولا "ذرا چل کر یہ تماشا دیکھیں" دونوں اس طرف بڑھے لیکن ان لوگوں کا ناچ دوسرے ناچوں سے انوکھا تھا۔ ان کا ناچنے والا نٹا وا کسی جگہ ٹھہر کر نہیں ناچ رہا تھا۔

اتنا لکھنے کے بعد ہمارے ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ "نٹا دے" کے ناچ کو ہم ایک ورزش کہہ سکتے ہیں۔ ناچ اسے اس لئے کہا جاتا ہے کہ "نٹادا" روپ بھرے ہوتا ہے۔ نٹا وا چمڑے کا جوتا بھی پہنتا ہے۔ اس جوتے میں سرسوں کا تیل پڑا ہوتا ہے۔ نٹا وا ایک نوجوان لڑکا ہوتا ہے لیکن وہ لڑکیوں کی طرح گھیگھرا پہنے ہوتا ہے۔ اس کے چہرے پر سفید پاؤڈر

پتا ہوتا ہے۔ پسینہ نکلنے سے چہرہ بے حد بے ٹکا ہو جاتا ہے اس کے ساتھ ڈمرو بجانے والے اور گانے والے بڑی محنت اور جوش کے ساتھ گاتے ہیں۔ برات میں جو دولھا ہوتا ہے اس کی عمر بہت ہی کم ہوتی ہے۔ دولھا کے سر پر بانسوں کی تیلیوں کا چنور رہتا ہے۔ یہ چنور کاغذ سے منڈھا ہوتا ہے۔

انگریز عالم کے لئے اس برات میں بڑی دلچسپی کا سامان تھا۔ وہ ڈائری نکالے جلدی جلدی کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی ڈائری میں ڈمرو اور مجیروں کی تصویریں بھی اتاری۔ نٹا دے کی بھی تصویر کھینچی۔ اس کے بعد ہم دونوں لوٹ پڑے۔ اب سورج زیادہ نیچے آ گیا تھا۔ ہمیں مغرب کے وقت عیدی کے گاؤں پہنچنا تھا۔ ہم اس طرف چل دیئے۔ جس وقت ہم نے گاؤں میں قدم رکھا، اس وقت مغرب کی اذان کی آواز کانوں میں آئی

نماز کا منظر

"اچھا یہاں مسجد بھی ہے" میری زبان سے نکلا اور میں اسی طرف مڑ گیا۔ میں مسجد میں جا کر وضو کرنے لگا۔ انگریز عالم سبیل پر بیٹھ گیا۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ اگلی صف بھر چکی تھی۔ دوسری صف میں تین چار آدمی تھے۔ میں وضو کر کے دوسری صف میں کھڑا ہو گیا۔ نماز پڑھ کر میں انگریز کے پاس آ گیا۔ اس نے ایک ایسی بات کہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہماری نماز کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا "بھائی! تم ایک ایسے آدمی کے ٹھیک پیچھے تھے جس کے پاؤں کالے کالے اور برے سے تھے۔ جب تم نے پیشانی زمین پر رکھی تو میں نے دیکھا کہ جس جگہ اُس کے کالے پیر تھے اسی جگہ تمھارا سر تھا۔ کیا تم کو برا نہیں لگا؟"

"بُرا لگنا تو دور کی بات ہے" ہیں انگریز عالم سے کہنے لگا "مجھے تو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ایک کالا یا گاؤں والا میرے آگے کھڑا ہے۔ یہاں بڑے سے بڑا آدمی آکر کسی غریب مسلمان کو اس جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ بڑا وہی ہے جو اللہ کے حکموں کو ماننے اور ان پر عمل کرنے میں سب سے آگے ہو۔"

عیدی بھائی کے گھر

"ہوں ...." انگریز نے لمبی سانس لی۔ اتنے میں کسی نے سلام کیا۔ دیکھا تو وہ عیدی بھائی تھے۔ وہ خوش خوش ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ ہم دونوں ان کے گھر گئے۔ ان کا گھر چھپر کا تھا۔ ایک طرف کھنڈر میں ان کے بیل بندھے تھے۔ انھوں نے گھر کے آگے چبوترے پر چارپائیاں بچھا دی تھیں ان پر چادریں بچھی تھیں۔ ہم جا کر چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ ہمیں فوراً دودھ پڑا شربت پلایا گیا۔ دھیرے دھیرے وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے ان میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ سب چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ انگریز یہ سب دیکھتا رہا۔ دو گھنٹے رات گئے ہم نے عیدی بھائی کے گھر صحن میں کھانا کھایا۔ کھانے میں عیدی بھائی نے بڑا تکلف کیا تھا۔ بکری کا گوشت تھا اس میں آلو پڑے ہوئے تھے۔ پلاؤ تھا، سویاں تھیں، چپاتیاں نہیں بس ہم نے مزا لے لے کر کھایا۔ انگریز عالم یہ کھانا کھاتا جاتا اور تعریف کرتا جاتا۔ سُنا تھا کہ انگریز کانٹے چھری سے کھانا کھاتے ہیں لیکن یہ انگریز عالم ہماری

ہی طرح کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے اس سفر میں کہیں بھی چھری کانٹے سے کام نہیں لیا۔

رات کو ہم آرام کے ساتھ چبوترے پر پڑی ہوئی چارپائیوں پر سوئے۔ صبح کو جب چلنے لگے تو عیدی بھائی نے تلے ہوئے انڈے اور کچھ روٹیاں ہمارے ساتھ کر دیں۔ چلتے وقت انگریز عالم نے پچیس روپے اپنے تھیلے سے نکالے۔ عیدی بھائی کی دس برس کی بچّی سامنے کھڑی تھی، اسے وہ روپے دینے لگا۔ بچّی عیدی بھائی کا منہ تکنے لگی۔ عیدی بھائی نے ایک انگلی اٹھائی۔ اس اشارے کو سمجھ کر بچّی نے ایک روپیہ لے لیا اور صاحب کو سلام کیا۔

انگریز عالم مجھے دیکھنے لگا۔ عیدی بھائی نے بڑھ کر کہا، "بچّی کو جو لینا تھا، لے لیا۔ اتنے سارے روپوں سے ہمارے بچّوں میں لالچ پیدا ہوگا۔ آپ اس سے ہمیں معاف رکھیں۔ انگریز کے کہنے سے میں نے عیدی بھائی سے بہت کہا لیکن وہ نہ مانے بلکہ ذرا تیکھے ہو کر بولے "میں نے ان روپوں کے لالچ میں آپ کو مہمان نہیں بنایا بلکہ اللہ سے ثواب لینے کے لئے یہ سب کیا۔"

یہی بات میں نے انگریز عالم سے کہی تو اس نے روپے جیب میں رکھ لئے اور وہاں سے چل دیا۔ راستے میں مجھ سے کہنے لگا۔ میرا خیال ہے کہ اس دیہاتی شخص میں یہ بھائی چارہ والی بات اسلام نے پیدا کی۔ تم مجھے اسلام کے بارے میں کھل کر ساری باتیں بتاؤ۔ میں چاہتا ہوں اسلام کو بھی سمجھ لوں۔ میں جانتا ہوں کہ اسلام کا عقیدہ کیا ہے خدا کے بارے میں اسلام کیا سکھاتا ہے۔ رسولوں کے بارے میں اسلام کیا ماننے کو کہتا ہے اور یہ کہ اسلام کے اصولوں کا زندگی سے کیا تعلق ہے؟"

انگریز سیّاح کی اسلام سے دلچسپی

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اس کے بعد میں کئی مہینے اس کے ساتھ رہا۔ اس عرصے میں میں نے پورا اسلام اسے سمجھا دیا۔ اسلامی عقیدے اسے سمجھائے۔ اس نے کرید کرید کر خود بھی پوچھا۔ پھر کہنے لگا کہ اگر کہیں سے اسلام سے متعلق انگریزی میں کتابیں ملیں تو انھیں پڑھوں۔ اگر یہاں نہ ملیں تو میرا ارادہ مصر جانے کا ہے وہاں ضرور مل جائیں گی۔

اس انگریز عالم کا حال لکھنے کے بعد ہمارے ابن بطوطہ نے اس دعا پر قلم روکا کہ :-

" اے خدا! مجھ میں جتنی طاقت تھی، میں نے اس انگریز عالم کو اسلام سمجھانے میں خرچ کر دی، اب اس کے دل کو پلٹنا اور اسلام کی توفیق عطا فرمانا تیرا کام ہے۔ پروردگار اپنے اس بندے کو دوزخ کی آگ سے بچالے اور آخرت کے دن میرے گناہوں کو ڈھانپ لے "

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کے نزدیک شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے

○

یہ تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اب کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ دنیا والوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری اب مسلمانوں پر ڈال دی گئی ہے اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ اس فرض کو ادا کریں۔ اللہ کے بندوں تک اللہ کا دین پہنچائیں۔

چند سال شودروں میں

- لیڈر اگاؤں
- سلام کی برکت
- اسلام کی تعلیم
- اسلامی تعلیم کا اثر
- اونچی ذات والے
- راجہ کو درخواست دی
- بدّو بابا کا بیان
- راجہ کا انصاف

ہمارے ابن بطوطہ کے سفر نامے کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاکیزہ کردار کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتا ہے۔ موقع پانے پر وہ اس کردار کی پیروی بھی کرتا ہے۔ اس نے اپنا سفر نامہ مرتب کرتے وقت تاریخ اسلام کی بعض معرکہ آرا تقریریں بھی سمو دیں۔ اس سے اس کے حافظے کی اچھائی کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً آئندہ اوراق میں اس کے سفر نامے کا جو واقعہ پیش کیا جا رہا ہے اس میں جگہ جگہ اس نے اپنی یادداشت کا اچھا ثبوت دیا ہے۔ پڑھیے اور نصیحت حاصل کیجیے۔ ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

لٹیرا گاؤں

"میں گھومتا پھرتا ایک گاؤں میں پہنچا۔ اس گاؤں میں تیس گھر تھے۔ گھر چھپروں سے ڈھنکے تھے۔ ان چھپروں میں رہنے والے لوگ دو سو سے زیادہ نہ تھے۔ یہ سب کے سب بالکل جاہل اور اُجڈ تھے۔ گاؤں میں ایک بھی پڑھا لکھا آدمی نہ تھا۔ کیا جائز ہے؟ کیا ناجائز؟ کیا حرام ہے کیا حلال؟ یہ بات جاننے والا کوئی آدمی نہ تھا۔ سب بڑے وہمی تھے۔ بھوتوں، پریتوں اور چڑیلوں کے ناموں سے ڈرتے، ٹونے ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک کیا کرتے۔ طرح طرح کی بری رسموں میں پھنسے رہتے۔ یہ شودر ذات کے لوگ تھے۔ ان کے پیشے الگ الگ تھے۔ کچھ لوگ تو مردہ

جانور اٹھا لاتے، ان کی کھالیں نکال لیتے، ان کی ہڈیاں جمع کرتے اور گوشت کھا لیتے تھے۔ کچھ لوگ گوہوں اور ایسے ہی دوسرے جانوروں کا شکار کیا کرتے۔ کچھ لوگ سوپ اور پال بناتے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے پاس بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ تھے۔ کچھ لوگ سوٗر بھی پالتے تھے۔ گاؤں بھر میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو ترکاریاں بویا کرتا تھا۔"

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ان سب کی عادتیں بڑی خراب تھیں۔ یہ سب جوا کھیلتے، شراب پیتے، آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے۔ مسافروں کو دیکھتے تو انھیں لوٹ لیا کرتے۔ میں گاؤں میں پہنچا تو ان لوگوں نے مجھے لوٹ لیا۔ میں بہت پریشان ہوا۔ میں سوچ رہا تھا "اب کیا کروں، کہاں جاؤں؟" میں دل ہی دل میں یہی کہہ رہا تھا، اچانک مجھ کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ یاد آگیا جبکہ آپ طائف والوں کو اللہ کا دین سمجھانے گئے تھے اور ان لوگوں نے آپؐ کو لہو لہان کر دیا تھا۔ یہ بات یاد آئی تو جس طرح پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کے لئے دعا کی تھی، اسی طرح میں نے بھی گاؤں والوں کے لئے دعا کی "اے اللہ! گاؤں والوں کو سیدھا راستہ دکھا دے ان کی بُرائیوں کو دور فرما دے اور انھیں نیک بنا دے۔" دعا کے بعد میں سوچنے لگا کہ اگر یہ لوگ اللہ سے ڈرنے لگیں اور ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک دن سب کو مرنا ہے، مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے، اپنے اچھے برے کاموں کا حساب دینا ہے اور پھر اچھا یا برا بدلہ پانا ہے تو یہ لوگ ضرور بُرے کاموں سے بچنے لگیں گے اور اچھے انسان بن جائیں گے۔

میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک کتّوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی

اُدھر دیکھا تو کئی کُتّے ایک لڑکے کا پیچھا کیے ہوئے تھے۔ لڑکا بھاگتا ہوا اسی طرف آرہا تھا اور مدد کے لیے چلّا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں اٹھا۔ میں نے کتّوں کو ڈانٹا، ڈھیلے بھی مارے۔ کتے بھاگ گئے۔ لڑکا میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور بھاگتے ہوئے کتّوں کی طرف دیکھنے لگا۔

سَلام کی برکت

وہ لڑکا بہت ہی گندہ تھا۔ میں نے اس سے کہا "جاؤ نہا کے آؤ تو ایک مزے دار بات بتاؤں"۔ پاس ہی ایک تالاب تھا۔ لڑکا گیا، تالاب میں نہانے لگا۔ نہا کر میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے اس کا نام پوچھا اس کے باپ کا نام پوچھا، پھر اس سے کہا "آج جب تم گھر جانا تو ماں باپ کو سلام کرنا"۔ یہ سُن کر لڑکا مسکرایا اور چلا گیا۔ عصر کے وقت تک کئی لڑکے تالاب پر آئے۔ میں نے سب کو یہی نصیحت کی۔ عصر کا وقت ہونے پر میں نے تالاب کے پانی سے وضو کیا۔ ایک صاف جگہ نماز پڑھ کر اٹھا ہی تھا کہ گاؤں کی طرف سے کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے۔ وہ سب میری ہی طرف آرہے تھے۔ ان کے ساتھ وہ لڑکے بھی تھے جن سے میں نے کہا تھا کہ آج اپنے ماں باپ کو سلام کرنا۔ وہ سب میرے پاس آئے۔ لڑکوں نے میری طرف اشارہ کرکے ان لوگوں کو بتایا کہ انھوں نے سلام کرنے کو کہا تھا۔ یہ سُنتے ہی وہ لوگ مجھ سے بڑے تپاک سے ملے۔ بولے "ہم نے آپ کو لوٹ لیا۔ اس بات کا ہمیں بڑا دُکھ ہے۔ اب آپ ہمارے ساتھ گاؤں چلیں۔ ہم آپ کا سامان آپ کو واپس کر دیں گے۔ اگر آپ ٹھہرنا چاہیں گے تو ہم اس کا بھی انتظام کر دیں گے لیکن آپ یہ سمجھ لیں

کہ ہم سب شودر ذات کے لوگ ہیں اور آپ ہمیں اونچی ذات کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے اس لڑکے کو کتوں سے بچایا، یہ آپ کا احسان ہے۔ پھر یہ کہ آپ نے ہمارے بچوں کو جو بات بتائی وہ ہمیں بہت پسند آئی۔ بچوں نے ہمیں سلام کیا تو ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ ہم نے سوچا کہ آپ کو ستانا اچھی بات نہیں۔ ہمیں آپ سے معافی مانگنا چاہیے۔ ہم سب اسی لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

یہ سُنا تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے میری دعا سُن لی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا "دیکھو بھائیو! انسان انسان سب برابر ہیں۔ سارے انسان ایک ماں باپ (آدم و حوّا) کی اولاد ہیں، تو پھر کسی کو نیچ سمجھنا اور کسی کو اونچا جاننا بُری بات ہے۔ اللہ کے نزدیک تو اونچا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، اچھے کام کرتا ہو اور بُری باتوں سے بچتا ہو۔"

میری یہ بات سُن کر ان میں سے ایک بوڑھے آدمی نے مجھ سے پوچھا "کیا آپ اس دیس کے رہنے والے نہیں ہیں؟ اس دیس کے لوگ تو یہ مانتے ہیں کہ انسانوں میں کچھ ناپاک ہیں، انھیں نہ تو چھونا چاہیے اور نہ ان کا چھوا کھانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ بوڑھا آدمی غور سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "ہاں بھائی میں اس دیس کا رہنے والا نہیں ہوں، میں پردیسی ہوں، گھومنے پھرنے کے لیے اس دیس میں آگیا ہوں۔"

"تو کیا سچ مچ آپ چھوت چھات نہیں مانتے؟"

"نہ بھائی! میں ایسی باتوں کو نہیں مانتا۔ ہمارا مذہب ایسی باتوں

کو غلط بتاتا ہے۔"

"آپ کا مذہب کیا ہے؟"

"میرا مذہب اسلام ہے۔"

"کیا آپ یہ کر سکتے ہیں کہ کچھ دن ہمارے گاؤں میں رہیں۔ ہم سب آپ کے کھانے پینے اور دوسری ضرورتوں کا انتظام کر دیں گے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ ہمیں اور ہمارے بچوں کو اپنے مذہب کی باتیں سکھا دیں۔"

اسلام کی تعلیم

میں یہ تو چاہتا ہی تھا۔ میں نے خدا سے یہی دعا کی تھی۔ ان لوگوں نے یہ کہا تو میں خوش ہو گیا۔ میں نے منظور کر لیا۔ ان کے ساتھ گاؤں گیا۔ ان لوگوں نے مجھے اس شخص کے گھر کے پاس ٹھہرا دیا جو ترکاریاں بویا کرتا تھا۔ مجھ کو میرا سامان دے دیا اور پھر سب نے مل کر دیکھتے دیکھتے وہاں ایک کٹیا سی بنا دی۔ میں اس کٹیا میں رہنے لگا۔

رہنے لگا تو ان سب کو دین کی باتیں بڑی محنت کے ساتھ سکھانے لگا۔ دن میں لوگ اپنے کاموں پر چلے جاتے۔ کچھ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اور چھوٹے چھوٹے لڑکے گاؤں میں رہ جاتے۔ میں ان کے پاس جا بیٹھتا۔ ان سے باتیں کرتا۔ وہ لوگ بیچ بیچ میں جو سوال کرتے میں آسان طریقے سے جواب دیتا۔ وہ بہت خوش ہوتے۔ جب وہ سب مجھ سے ہل مل گئے تو میں نے سب سے پہلے انھیں اللہ کے بارے میں سمجھایا کہ دیکھو دنیا میں جو کچھ ہے، وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ وہی اللہ سب کا مالک

ہے۔ اسی اللہ نے ہمارے آرام کے لئے سب کچھ پیدا فرمایا۔ اس نے ہمارے لئے ہوا بنائی، پانی برسایا، طرح طرح کے پھل پھول پودے پیدا کئے اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا۔ اس کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں کہ یہ چیزیں بنا سکے۔ دیکھو کتنا بڑا احسان کیا اللہ نے ——— ہمیں اس کا احسان ماننا چاہیئے۔ اسی کو اپنا مالک جاننا چاہیئے۔ اسی کے حکموں پہ چلنا چاہیئے۔ ہے نا یہ بات!

"سچ ہے، سچ ہے۔ بڑا احسان ہے اللہؐ کا۔ بڑی اچھی ہیں یہ باتیں جو آپ بتا رہے ہیں"

لوگ میری باتیں سُن کر بہت خوش ہوتے۔ سر ہلا ہلا کر تعریف کرتے پھر جب میں نے یہ بتایا کہ اللہ نے سارے انسانوں کو ایک آدمؑ اور ایک حوّاؑ سے پیدا کیا اور سارے انسان، انسان ہونے کے ناتے برابر ہیں تو اس بات سے سب ایسا خوش ہوئے جیسے انھیں کوئی بڑی دولت مل گئی ہو۔ وہ مجھ سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کے بارے میں پوچھنے لگے۔ میں نے انھیں حضرت آدم و حوّاؑ کی کہانی سُنائی۔ یہ کہانی انھیں بہت پسند آئی۔ انھوں نے کئی بار مجھ سے یہ کہانی سُنی۔ پھر میں نے اللہ کے اور نبیوں کے قصّے سنانے شروع کر دیئے۔ یہ قصّے سُنانے وقت میں اسلامی عقیدے بار بار دہراتا اور بتاتا کہ اللہ نے نبیوں کو دنیا میں اس لئے بھیجا کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی مرضی بتائیں اور اللہ کی مرضی پر چل کر دکھائیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور آپؐ نے بھی اللہ کے حکموں کو اس کے بندوں تک پہنچایا۔

اسلامی تعلیم کا اثر

مجھے اس گاؤں میں رہتے ہوئے کئی برس ہو گئے۔ میں نے اس مدت میں پاکی اور ناپاکی، حرام اور حلال کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔ یہ باتیں بھی گاؤں والوں نے بہت پسند کیں۔ وہ صاف ستھرے رہنے لگے۔ حرام چیزوں سے بچنے لگے۔ ایک دن ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا:۔

"پردیسی بھائی"! یہ باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں؟ اس سوال کے جواب میں میں نے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ آپؐ کا حال سب نے بڑے دھیان سے سُنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان کرتے کرتے جب میں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا قصّہ سنایا کہ وہ غلام تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ پھر جب زیدؓ بڑے ہوئے تو اپنے ہی خاندان میں انکی شادی کرادی تھی۔ تو یہ سُن کر گاؤں والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت ہو گئی۔ اس کے بعد جب میں نے بتایا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی کا نام اسلام ہے تو گاؤں کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔

ان کے مسلمان ہونے کے بعد میں نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنوائی۔ اور اسی مسجد میں سب کو نماز پڑھانے اور سکھانے لگا۔

اُونچی ذات والے

گاؤں کا یہ حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا ابن بطوطہ ایک اور

واقعہ لکھتا ہے اس کے بعد یہاں کے راجاؤں کے بارے میں بڑی اچھی رائے ظاہر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

"جب ہم نے گاؤں میں مسجد بنالی تو اس کی خبر آس پاس کے گاؤں میں ہوئی۔ آس پاس کے گاؤں میں اونچی ذات کے جو لوگ رہتے تھے انھیں یہ سُن کر بڑا برا لگا کہ اس گاؤں کے سارے شودر مسلمان ہو گئے اور اب وہ صاف ستھرے رہتے ہیں اور آپس میں برابری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اونچی ذات کے لوگوں نے آپس میں صلاح کی اور ایک دن ہزاروں کی تعداد میں انھوں نے اس گاؤں پر ہلہ بول دیا۔ لوٹ کھسوٹ مچانے لگے۔ جھونپڑوں میں آگ لگانے لگے۔ مسلمان ہونے والوں کو قتل کرنے لگے۔ بے چارے نہتے مسلمان گاؤں سے بھاگنے لگے۔ سب نے جنگل میں جاکر پناہ لی۔ میں بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ جنگل میں پہنچ کر میں نے سارے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی "گھبراؤ نہیں، اللہ پر بھروسہ کرو اور یہ بتاؤ کہ یہاں کا راجہ کہاں رہتا ہے؟" مجھے بتایا گیا کہ راجہ یہاں سے بارہ کوس کے فاصلے پر رہتا ہے۔ میں نے اتہ پتہ پوچھا اور کہا "اچھا، میں راجہ کے پاس جاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ انصاف کرے گا۔ جب تک میں واپس نہ آؤں، تم لوگ جنگل ہی میں رہنا۔ کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچانا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا"

یہ کہہ کر میں راجہ سے ملنے چل کھڑا ہوا۔ میں اپنی دھن میں چلتا ہی رہا۔ چلتے چلتے راجدھانی پہنچ گیا۔ لوگوں نے مجھے دیکھا تو پوچھنے لگے "کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کیوں آئے ہو؟" میں نے لوگوں کو سارا حال بتایا لیکن کسی نے میرے ساتھ ہمدردی نہیں کی۔

راجہ کو درخواست دی

میں نے راجہ تک پہنچنے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے راجہ تک نہیں جانے دیا گیا۔ ایک دن میں نے سُنا کہ راجہ کل شکار کو جانے والا ہے یہ سنتے ہی ایک ترکیب سمجھ میں آگئی۔ میں نے ایک درخواست لکھی۔ درخواست میں گاؤں کی تباہی کا حال لکھا اور اس راستے پر چھپ کر بیٹھ گیا جس راستے سے راجہ شکار کو جانے والا تھا۔ جب راجہ وہاں پر پہنچا تو جھٹ نکل کر راجہ کے ہاتھی کے سامنے کھڑا ہوگیا اور دونوں ہاتھ اونچے کر دیئے۔ راجہ نے ہاتھی رکوا دیا۔ میں نے راجہ کو درخواست دی۔ راجہ نے درخواست پڑھی پھر کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد مجھے ہاتھی پر بٹھا لیا اور ہاتھی کو میرے گاؤں کی طرف موڑ دینے کا حکم دے دیا۔ اب آگے آگے راجہ تھا پیچھے پیچھے اس کا لشکر۔ تین ہی گھنٹے کے اندر ہم سب گاؤں کے پاس پہنچ گئے۔ میں ہاتھی سے اترا اور جنگل سے گاؤں والوں کو بلا لایا۔ راجہ نے ان سے حال پوچھا۔ گاؤں والوں کی طرف سے ببّو بابا نے اس طرح کہنا شروع کیا:۔

ببّو بابا کا بیان

" سرکار! ہم لوگ نرے جاہل اور اجڈ تھے۔ ہم گندے رہتے اور مردار کھاتے تھے۔ بری باتیں کرتے، جوا کھیلتے، شرابیں پیتے، آپس میں لڑتے جھگڑتے، راہ گیروں کو لوٹ لیا کرتے سرکار! ہم ایسے خطرناک ڈاکو تھے کہ آپ کے سپاہی ہم سے ڈرتے۔ آپ انھیں ہماری گرفتاری کے لئے بھیجتے تو ہم انھیں مار بھگاتے۔ وہ زیادہ ہوتے تو ہم جنگل میں بھاگ جاتے

آج تک ہمیں کوئی پکڑ نہ سکا۔ سرکار! کیسے بُرے تھے ہم!

ہم اسی حالت میں تھے کہ خدا نے ہم پر رحم فرمایا۔ پردیسی بھائی یہاں آیا۔ ہم نے اسے بھی لوٹ لیا لیکن اس نے ہم پر ایسے احسان کیے کہ ہمارا دل پسیجا۔ ہم پردیسی بھائی کو اپنے گاؤں میں لے آئے۔ پردیسی بھائی نے ہمیں بتایا کہ ہم سچ بولیں، لڑائی جھگڑے سے دور رہیں اور اس خدا کو مانیں جس کو سب نے پیدا کیا ہے۔ بھوت پریت سے ڈرنا اور ٹونے ٹوٹکے کرنا چھوڑ دیں۔ پردیسی بھائی نے ہمیں خدا کو ماننے کا طریقہ بتایا۔ اس نے ہمیں نماز سکھائی۔ ہم نے بُری باتیں چھوڑ دیں۔ ہم نماز پڑھنے لگے۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ پھر جب ہم نے گاؤں میں مسجد بنا لی تو یہ بات دوسرے گاؤں کے اونچی ذات کے لوگوں کو اچھی نہ لگی۔ انھوں نے ہزاروں کی تعداد میں دھاوا بول دیا۔ ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بھاگ کر جنگل میں جا چھپے۔ اونچی ذات والوں نے ہمارے گھروں کو جلا دیا۔ ہمارا سامان لوٹ لیا۔ ہماری مسجد ڈھا دی۔ سرکار! ہم آپ کی پرجا ہیں اور آپ ہمارے مائی باپ ہیں۔ ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہاں کے راجہ آپ ہیں نہ کہ اونچی ذات کے لوگ۔"

راجہ کا انصاف

یہ کہہ کر بتّو بابا چپ ہو رہے۔ راجہ پر ان کی بات کا بڑا اثر ہوا۔ سامنے گاؤں تھا ہی، وہ سب تباہ و برباد پڑا تھا۔ راجہ نے دیکھا۔ اسی جگہ حکم لکھوایا کہ سرکاری خزانے سے گاؤں کو دوبارہ آباد کیا جائے۔ مسجد کے لئے راجہ نے پچاس ہزار روپے الگ سے منظور کیے۔ اس کے بعد

دوسرا حکم یہ لکھا کہ ستانے والوں کو پکڑ کر جلد سے جلد دربار میں حاضر کیا جائے
اس کے بعد گاؤں والوں کی اس طرح ڈھارس بندھائی "میں اپنی پرجا کو اپنی اولاد کے برابر سمجھتا ہوں۔ میری اولاد میری نظر میں سب برابر ہے۔ اب تم لوگ آرام سے رہو۔ تمھارے ساتھ انصاف ہوگا۔ جن لوگوں نے تم کو ستایا ہے، انھیں سزا دی جائے گی۔
راجہ سے یہ سُن کر سب اسے دعائیں دینے لگے۔ راجہ اپنے لشکر کے ساتھ راجدھانی لوٹ گیا۔ اس کے بعد پھر جب مسجد بن گئی تو میں نے گاؤں والوں سے کہا "اچھا خدا حافظ! اب میں چلا۔" گاؤں والوں نے بہت روکا لیکن اب میرا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ میں دنیا کی سیر کرنے روانہ ہی ہو گیا۔
یہ واقعہ لکھنے کے بعد ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ اس دیس کے راجہ بڑے انصاف کرنے والے ہیں۔ ان کے دل میں رحم ہے۔ وہ اپنے کو رعا کا باپ سمجھتے ہیں لیکن ان کے انتظام میں ایک خرابی ہے۔ چھوٹے آدمی کا راجہ تک پہنچنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ راجہ کے درباری راجہ تک بہت مشکل سے پہنچنے دیتے ہیں۔ اسی لئے راجہ کو رعایا کا حال کم ہی معلوم ہو پاتا ہے۔

نولکھا ہار

- چمڑے کی تھیلی
- پہنچنا ایک جزیرے میں
- قرآن کی برکت
- ایں! یہ ہار؟

○

ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں اپنی ایمانداری کا ایک ایسا واقعہ لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اس دنیا میں بھی بھلائی کا بدلہ دیتا ہے، ویسے بدلے کا دن تو آخرت کا دن ہے۔ ہم نے اپنے ابن بطوطہ کی ایمانداری کا یہ واقعہ پڑھا تو ہم بہت خوش ہوئے۔ امید ہے کہ جو پڑھے گا، خوش ہوگا اور اس کے ایمان میں مضبوطی آئے گی۔ لیجیے پڑھیے۔ ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ:۔

چمڑے کی تھیلی!

ایک بار میں ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ قافلہ ایک شہر میں پہنچا اور اس میں جو لوگ سوداگر تھے، وہ اپنا اپنا مال لے کر بازار کی طرف گئے۔ مجھے تو سیر کرنے اور نئے نئے مقام دیکھنے کا شوق ہے۔ میں شہر گھومنے چلا۔ میں ایک چوڑی گلی میں جا رہا تھا کہ ایک کنارے چمڑے کی ایک تھیلی دکھائی دی۔ میں جا کر اسے اٹھا لیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں نو لکھا ہار تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کسی سوداگر کی یہ تھیلی یہاں گر گئی ہے۔ وہ ضرور اس کی کھوج میں اس طرف آئے گا۔

یہ سوچ کر میں اسی جگہ سائے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا سوداگر بوکھلایا ہوا آ رہا ہے اور اِدھر اُدھر نظر ڈال رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ تھیلی اس کی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا:۔

"بڑے میاں! آپ کیوں پریشان ہیں اور کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟"
بڑے میاں یہ سُن کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے مجھے دیکھا پھر بولے "میری ایک تھیلی کہیں گر گئی ہے، اسی کو تلاش کر رہا ہوں۔"
"تھیلی کس چیز کی ہے؟" میں نے پوچھا۔ بتایا کہ چمڑے کی۔
"اور اس میں کیا ہے؟"
"بٹیا! اس میں ایک نو لکھا ہار ہے۔"
میں نے یہ سُنا تو تھیلی دکھاتے ہوئے کہا "دیکھیے، یہ تو نہیں ہے؟"
"یہی ہے، یہی ہے اے شریف نوجوان!" بوڑھا سوداگر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ میں نے تھیلی اسے دے دی اور اٹھ کر جانے لگا۔ بوڑھے سوداگر نے مجھے روکا اور پانچ سو دینار (سونے کے سکّے) انعام کے طور پر مجھے دینے لگا۔ میں نے کہا کہ اگر مجھے روپیوں کا لالچ ہوتا تو تھیلی ہی آپ کو کیوں دیتا، میں نے تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کیا کہ اگر کوئی کہیں گری پڑی چیز پائے تو اس کے مالک تک پہنچا دے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس نیکی کی توفیق عطا فرمائی اور اتنی بڑی رقم پا کر بھی میرے دل میں بے ایمانی نہیں آئی۔ میں اس نیکی کا اجر اپنے اللہ ہی سے لوں گا۔"
سوداگر نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا۔ خوش ہو کر پھر کہنے لگا کہ نیت کا ثواب تو تم کو ملے گا ہی، اب تم یہ پانچ سو دینار بھی رکھو، سفر میں کام آئیں گے لیکن میں نے پھر انکار کر دیا۔ اب وہ کہنے لگا "اچھا تو اے جوان! تم میرے ساتھ میرے وطن چلو، میرے وطن چل کر تم خوش ہو جاؤ گے۔ راستے میں جو خرچ ہو گا، وہ سب میرے ذمّے رہا۔"

میں نے سوداگر کا شکریہ ادا کیا پھر کہا کہ اس وقت تو میں ہندوستان کی سیر کو جا رہا ہوں اللہ نے چاہا تو وہاں سے آپ کے یہاں آؤں گا۔ میں آپ ایسے بزرگ سے ضرور ملوں گا۔

"ان شاء اللہ" بوڑھے کی زبان سے نکلا۔ اس نے مجھ سے پھر وعدہ لیا۔ اس کے بعد دس دن میں اس شہر میں رہا، دسویں دن اس قافلے کے ساتھ ہندوستان کی طرف چل دیا۔ ہندوستان میں کئی برس رہا۔ یہ ملک ایسا اچھا لگا کہ میرا یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن وہ جو شوق تھا نا! کہ ؎

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگانی بھی رہی تو نوجوانی پھر کہاں

میں جلد سے جلد دنیا کا زیادہ سے زیادہ حصہ دیکھنا چاہتا تھا۔ جو لطف مجھے سیاحت میں آتا وہ مجھے کہیں نہ ملتا تھا۔

پہنچنا ایک جزیرے میں

تو بھائی! ایک دن میں ہندوستان سے روانہ ہی ہو گیا۔ ہندوستان سے کشتیوں کا ایک بیڑہ جزیرے کی طرف جا رہا تھا۔ میں اسی کے ساتھ ہو لیا۔ ہمارا جہازی بیڑہ کئی دن تک تو آرام سے سمندر میں چلتا رہا پھر ہوا کچھ تیز ہو گئی اور پھر اور تیز ہوئی اور پھر تو ایسی تیز ہوئی کہ طوفان آ گیا۔ اس طوفان میں پورا بیڑہ تباہ و برباد ہو گیا۔ جس کشتی پر میں تھا وہ الٹ گئی۔ لوگ ڈوب گئے۔ میں ایک تختے کا سہارا لے کر ایک طرف بہنے لگا دوسرے دن تختہ خشکی سے لگا۔ میں تختے سے اترا۔ سوچنے لگا، کہاں جاؤں۔

پھر میں نے ایک طرف کوّے اور چیلیں اڑتی دیکھیں۔ میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو نزدیک ہی کوئی بستی ہے۔ میں اسی طرف چل دیا۔ تھوڑی دور یہ سچ مچ بستی نظر آئی۔ بستی میں ایک مسجد کے مینار دیکھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی بستی ہے۔ میں خوشی خوشی مسجد کی طرف چلا۔ ظہر کا وقت تھا۔ میں مسجد میں پہنچا۔ میں نے غسل کیا۔ کپڑے دھوئے، سکھائے اور پہن لئے پھر دو رکعت کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز نفل پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے طوفان سے جان بچالی۔ پھر میں سوچنے لگا کہ دیکھیے اس بستی میں کیسی گزرتی ہے۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ نمازی آنے لگے۔ میں نے سب کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر ایک طرف بیٹھ گیا اور کلام پاک کی تلاوت کرنے لگا۔ لوگوں نے قرآن سنا تو میرے پاس آئے، بولے "کیا آپ کو قرآن یاد ہے؟"

"جی ہاں! مجھ کو پورا قرآن یاد ہے۔"

قرآن کی برکت

مجھ سے یہ سنا تو بستی کے لوگ بولے "اچھا تو آپ اسی مسجد میں ٹھہریں۔ ہم آپ کے رہنے کا انتظام کیے دیتے ہیں۔ جب تک یہاں رہیں ہمارے بچوں کو قرآن پڑھنا سکھائیں۔ میں نے منظور کر لیا۔ دوسرے ہی دن سے بچوں کو قرآن پڑھانے لگا۔ میں نے پڑھانے کے ساتھ بچوں کو لکھنا بھی سکھایا۔ یہ دیکھ کر وہاں کے لوگ میری بڑی عزت کرنے لگے۔

ایک دن کی بات ہے بستی کے کئی بوڑھے میرے پاس آئے

بولے " تم بڑے شریف نوجوان ہو۔ تم اسلامی تعلیم پائے ہوئے ہو۔ ہماری
بستی میں ایک یتیم لڑکی ہے۔ اس کا باپ مر چکا ہے۔ وہ اللہ سے دعا کیا
کرتا تھا کہ خدایا! میری لڑکی کی شادی پڑھے لکھے کسی دیندار نوجوان
سے کر دے۔ وہ بے چارہ اسی ارمان کو لیے اس دنیا کو سدھارا
جہاں سے کوئی نہیں لوٹا۔ ہم سب نے آپ کو دیکھا تو بوڑھے کی بات
یاد آگئی۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ کی شادی اس لڑکی سے کرا دیں۔
ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ لڑکی نہایت نیک اور خوبصورت ہے "

ایں! یہ ہار؟

میں نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے ان کی بات مان لی اور اسی
دن میری شادی اس یتیم لڑکی سے ہو گئی۔ پھر جب میری بیوی میرے
سامنے آئی تو میں نے اس کے گلے میں وہی نو لکھا ہار دیکھا جو اب سے
کئی برس پہلے پڑا پایا تھا۔ میں بہت حیران ہوا۔ میری بیوی نے میری
حیرانی دیکھی تو حال پوچھا۔ میں نے بستی والوں کو بلایا اور سارا حال
کہا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ لڑکی اسی سوداگر کی ہے۔ وہ سوداگر
تم کو رات دن یاد کرتا تھا کہ اگر وہ ایماندار نوجوان یہاں آگیا تو میں
اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا۔ وہ تو اب اس دنیا میں
نہیں لیکن اس کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ اب تم دونوں آرام سے رہو۔ تم
کو یہ شادی مبارک ہو۔

لوگ دعائیں دے کر چلے گئے۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ تین برس

وہاں رہاں۔ تین برس کے بعد میری بیوی بیمار پڑی۔ بہت دوا علاج کیا لیکن وہ اچھی نہ ہوسکی۔ آخر مجھ کو اکیلا چھوڑ کر چل بسی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی ساری جائداد کا مالک میں ہوا۔ نولکھا ہار بھی میرے قبضے میں آیا۔ بیوی کے مرنے کے بعد میری طبیعت اچاٹ ہوگئی۔ میں نے سارا سامان بیچ ڈالا۔ نولکھا ہار کئی لاکھ میں بکا۔ میں نے ساری رقم بستی والوں میں تقسیم کر دی اور تھوڑی سی اپنے پاس رکھ لی۔ اس کے بعد جب اس بستی کے سوداگر تجارت کے لئے چلے تو میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔

یہ واقعہ لکھ کر ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ انسان کو ہر وقت اور ہر جگہ ایمانداری سے کام لینا چاہیے۔ ایمان داری سے اللہ خوش رہتا ہے۔ آخرت میں ایماندار آدمی کو اللہ بہت بڑی عزت دے گا۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نیکیوں کا کچھ بدلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی دے دیتا ہے تاکہ لوگ نیکیوں کی طرف بڑھیں، اور خدا کو یاد رکھیں۔ خدا کو یاد رکھنے ہی میں انسانوں کے لئے بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیکی کی توفیق دے اور سب کا ایمان سلامت رکھے۔

○

اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں
میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی
رحمت کے ہواؤں کو خوش خبری لے کر
بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا
خدا بھی ہے؟ بہت بالا و برتر ہے اللہ
اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

(النمل/۶۳)

وزارت

ا۔ تین پُتلے

- خوبصورت شہر اور پارک
- پُتلوں کا بھید
- سمجھے کیسے؟

ب۔ وزیر کی تلاش

- بیل گاڑی والا
- وزیر چن لیا

۱۔ تین پُتلے!

ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں اپنے دو قصّے ایسے لکھے ہیں جو ہم نے کہانیوں میں بھی سُنے اور کتابوں میں بھی پڑھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کہانی بنانے والوں نے ہمارے ابن بطوطہ کے سفرنامے سے دونوں باتیں لی ہیں اور انھیں کہانی کی طرح لکھ ڈالا۔ ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ابن بطوطہ کو دو بار وزیر بننے کا موقع ملا لیکن بھائی، وہ تو گھومنے پھرنے کا رسیا تھا۔ ایک جگہ اسے بیٹھا ہی نہ جاتا تھا۔ وزیر ہو کر بھی سیر و سفر کی مزے داریاں نہ بھولا اور کچھ ہی دنوں وزیر رہ کر چل دیا۔ وہ دو بار کس طرح وزیر بنا؟ سنیے۔ ہمارا ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ :-

خوبصورت شہر اور پارک

ایک بار میں سیر کرتا اور گھومتا ہوا ایک شہر میں پہنچا۔ وہ بہت بڑا شہر تھا۔ شہر کو اس طرح بسایا گیا تھا کہ پہلے تو بیچ و بیچ ایک چوراہا بنایا گیا۔ اس کے بعد چوراہوں سے جو راستہ جدھر گیا اس کے آس پاس لوگوں کو بسایا۔ اس طرح شہر کی خوبصورتی تو بڑھی ہی فائدہ یہ ہوا کہ چوراہے پر جو جگہ نکلی وہاں پر ایک گول پارک بنا دیا گیا۔ یہ پارک اتنا خوبصورت تھا کہ اتنا خوبصورت پارک کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔

شہر والوں کے لئے اس پارک تک پہنچنا بھی بہت آسان تھا۔ چوراہوں کے کسی راستے پر چل کر پارک مل جاتا اور ایک بچہ بھی آسانی سے پہنچ جاتا

جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو سیدھی سڑک پر آگے بڑھتے بڑھتے پارک میں پہنچ گیا۔ خوبصورت پارک کو دیکھ کر میرا جی خوش ہو گیا۔ وہیں ایک جگہ سائے میں بیٹھ کر سستانے لگا۔ اپنے تھیلے سے خشک میوے نکالے۔ کھا کر پانی پینے فوّارے پر گیا تو دیکھا کہ دوسری طرف چبوترہ بنا ہے اور اس پر تین پتلے رکھے ہیں۔ پانی پی کر میں پتلوں کو دیکھنے لگا۔ کچھ اور لوگ بھی پتلوں کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ تینوں پتلے ایک دوسرے سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔ ان کے پاس چبوترے کی دیوار پر ایک تختی لگی تھی تختی پر لکھا تھا "جو یہ بتا دے کہ ان پتلوں میں سب سے اچھا کون سا ہے دوسرے نمبر کا کونسا پتلہ ہے، اور گھٹیا کون ہے تو بادشاہ اسے اپنا وزیر بنا لے گا۔"

چبوترے کے پاس چار سنتری کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے بات چیت کی۔ معلوم ہوا کہ اس شہر کے بادشاہ کے وزیر کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ وزیر بڑا سمجھدار اور نیک تھا۔ جب وہ مرنے لگا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ آپ کے بعد کس کو وزیر بناؤں؟ تو اس وزیر نے بادشاہ کو یہ پتلے دیئے۔ ان میں جو سب سے اچھا ہے اور جو سب سے گھٹیا ہے یہ بھی بادشاہ کو بتا دیا پھر کہا کہ میرے بعد جو ان پتلوں کا بھید بتا دے اسی کو وزیر بنایا جائے۔

سنتریوں نے یہ بھی بتایا کہ ان پتلوں کو پرکھنے اور ان کا بھید معلوم کرنے دور دور سے لوگ آئے لیکن اب تک کوئی پتلوں کا بھید نہ پا سکا۔

پتلوں کا بھید

یہ سُنا تو میں نے کہا "عزت دینا اور کسی کا مرتبہ بڑھانا تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ جس کو سوجھ بوجھ دے دیتا ہے وہ بڑی آسانی سے مشکل سے مشکل بات سمجھ لیتا ہے۔ یہ کہہ کر میں بھی پتلوں کو دیکھنے لگا۔ تینوں پتلے ہر بات میں بالکل یکساں تھے۔ میں نے پتلوں کو تولا۔ وزن میں تینوں پتلے برابر نکلے۔ میں نے پتلوں کے ہاتھ پیر وغیرہ ناپے۔ ناپ میں بھی کچھ فرق نہ تھا۔ رنگ روپ دیکھا بھالا۔ رنگ روپ میں بھی ہوا برابر کمی بیشی نہ تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ دل میں کہا "ہر بات میں تو پتلے ملتے جلتے ہیں فرق کیا ہے؟" یہ کہہ کر میں نے پتلوں کو ان کی جگہ رکھ دیا۔ اور سوچنے لگا کہ کیا فرق ہو سکتا ہے؟ میں ٹکٹکی لگائے پتلوں کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر ایک پتلے کے کان پر پڑی۔ پتلے کے کان میں ایک سوراخ تھا۔ میں نے دوسرے پتلوں کے کان دیکھے۔ دوسرے پتلوں کے کانوں میں بھی سوراخ تھے۔ یہ سوراخ بھی برابر تھے۔ اب تو میں پریشان ہو گیا۔ پتلوں کو چھوڑ کر اُٹھنے ہی والا تھا کہ اللہ نے اچانک دل میں ایک بات ڈال دی۔ میں نے ایک پتلے کے کان میں پھونک ماری، دوسرے پتلے کے کان میں بھی پھونکا اور تیسرے پتلے کے کان میں بھی اور پھر میں خوشی کے مارے اچھل پڑا میں پکارا "میں نے بھید پالیا، میں نے بھید پالیا"

جو لوگ وہاں کھڑے تھے، سب میری طرف دیکھنے لگے۔ چاروں سنتری بھی میری طرف مڑے۔ میں نے ان سے کہا "جاؤ، اپنے بادشاہ

سے کہو کہ ایک آدمی آیا ہے، وہ پتلوں کا بھید سمجھ گیا ہے۔ آپ کو بتائے گا کہ ان میں کون سب سے اول نمبر کا ہے اور کون دوسرے نمبر کا ہے اور کونسا پتلہ سب سے گھٹیا ہے۔"

ایک سنتری بادشاہ کے پاس دوڑا گیا۔ باقی سنتریوں نے میری خاطر داری شروع کر دی۔ بادشاہ نے سنتے ہی مجھے بلا لیا۔ اسی وقت دربار کا حکم دیا۔ دربار لگا۔ سرکاری لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ شہر کے اور بہت سے لوگوں نے بھی سنا کہ ایک شخص پتلوں کا بھید بتائے گا تو وہ بھی آکر جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ پتلوں کا بھید بتائیے اور وزیر کا مرتبہ پائیے۔

بادشاہ کا حکم پا کر میں نے ایک پتلہ اٹھایا۔ اس کے کان میں پھونکا۔ بادشاہ کو بتایا حضور! یہ پتلہ بڑا قیمتی ہے۔ اگر اسے ہیروں سے تولا جائے تو بھی اس کی قیمت کم ہو گی۔"

"اس پتلے میں کیا خوبی ہے؟" بادشاہ نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے بتایا دیکھیے، میں نے اس پتلے کے کان میں پھونک ماری۔ میری پھونک اس کے پیٹ میں چلی گئی۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ یہ پتلہ اس آدمی کی مثال ہے جس سے کوئی بھید کی بات کہی جائے تو وہ چھپائے رکھے اور کسی سے نہ کہے۔ حضور! ایسا آدمی بڑا بلکہ بہت بڑا آدمی ہوتا ہے۔ ایسا آدمی کسی کا بھید کسی سے نہیں کہتا۔ ایسے آدمی کی سبھی عزت کرتے ہیں۔ اس سے اپنی باتوں میں مشورہ لیتے ہیں۔ بادشاہ ایسے آدمی کو اپنا وزیر بناتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ دیتے ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ پتلہ اول نمبر کا ہے۔"

میرا یہ جواب سن کر بادشاہ مسکرایا۔ بولا "اچھا دوسرے نمبر

کہ پتلہ کون سا ہے؟" میں نے دوسرا پتلہ اٹھایا۔ اس کے کان میں پھونکا۔ میری پھونک اس پتلے کے کان میں ہوکر دوسرے کان سے نکل گئی۔ میں نے کہا "یہ دیکھیے حضور! یہ پتلہ دوسرے نمبر کا ہے۔ یہ پتلہ اس آدمی کی مثال ہے جو بات کو اس کان سے سنتا ہے اور اس کان سے اڑا دیتا ہے۔ ایسے آدمی سے نہ نقصان کا ڈر ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اس کی قیمت کیا بتائی جائے، جو چاہیئے دے دیجیے، وہی اس کے لئے بہت ہے۔"

بادشاہ میرے اس جواب پر بھی مسکرایا۔ اس کے بعد میں نے تیسرا پتلہ اُٹھایا۔ اس کے کان میں پھونکا تو میری پھونک اس کے کان میں ہوتی ہوئی اس کے منہ سے نکل گئی۔ میں نے بادشاہ سے کہا "یہ پتلہ اس آدمی کی مثال ہے جس سے بھید کی بات کہیے تو وہ بھید کو چھپا نہیں پاتا، جھٹ دوسرے سے کہنے لگتا ہے۔ ایسے آدمی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ پیٹ کا ہلکا ہے۔ ایسا آدمی بڑا ذلیل ہوتا ہے۔ جہاں جو بات سُنتا ہے بے جانچے پرکھے ہر ایک سے کہتا پھرتا ہے۔ ایسا آدمی جھگڑالو بھی ہوتا ہے بلکہ اسے جھگڑے کی جڑ کہنا چاہیئے۔ کسی کی عزت و آبرو کا اسے ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کو سارے لوگ برا سمجھتے ہیں۔ کوئی اسے منہ نہیں لگاتا ایسا آدمی دو کوڑی کا بھی نہیں اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ تیسرا پتلہ سب میں گھٹیا ہے۔"

سمجھے کیسے؟

بادشاہ میرے جواب سُن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا

کہ بڑے بڑے سمجھ دار لوگوں نے ان تپلوں کو جانچا پرکھا لیکن وہ بھید نہ پا سکے۔ تم تو زیادہ عمر کے بھی نہیں، تمھاری سمجھ میں بھید کیسے آ گیا؟ میں نے جواب دیا۔ "حضور! یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔ جب وہ کسی کے دل میں بات ڈال دیتا ہے تو وہ آدمی سمجھ دار کہا جانے لگتا ہے۔ تو میں اسے اللہ کا فضل ہی سمجھتا ہوں مگر آپ پوچھتے ہیں تو بتاتا ہوں۔ سچ پوچھیے تو میں بھی ان کے پرکھنے کی ہمت ہار چکا تھا۔ اچانک مجھے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چھوٹی عمر کے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک بات یاد آ گئی اور پھر تپلوں کا بھید سمجھنا میرے لئے آسان ہو گیا۔

حضور! ایک بار پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو کھیل چھوڑ کر آپؐ کے پاس آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ کہا اور ایک آدمی کے پاس بھیج دیا۔ حضرت انس اس آدمی کے پاس گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کر کے چلے آئے پھر اپنے گھر گئے تو والدہ صاحبہ نے کہا کہ اتنی دیر کہاں رہے۔ جواب دیا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام سے گیا تھا۔" ماں نے پوچھا "کیا کام تھا؟" حضرت انسؓ نے کہا "پیاری امی وہ ایک بھید ہے۔ میں حضور کا بھید آپ سے بھی نہ کہوں گا۔"

یہ سن کر ماں نے بیٹے کو بہت شاباشی دی اور کہا "ہرگز نہ کہنا۔ ہرگز نہ کہنا۔ یہ پیارے نبی کا بھید ہے۔" حضور! جب سے میں نے یہ بات پڑھی ہے تب سے میں سمجھتا ہوں کہ بھید کا چھپانا بہت اچھی بات ہے۔ اور بھید کا کھول دینا بڑی بری بات ہے۔ مجھے یہی بات یاد آ گئی اور

پھر اللہ نے میرے لئے اِن پتلوں کا بھید سمجھنا بہت آسان کر دیا۔"

بادشاہ نے کہا "سچ مچ ان پتلوں میں یہی فرق ہے۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے مجھے اپنا وزیر بنا لیا۔ بادشاہ کے پاس میں تین برس رہا پھر میرا دل اُچاٹ ہو گیا۔ اچاٹ یوں ہو گیا کہ میں ٹھہرا سفر کا شوقین اور وہاں دن رات کام میں جُٹا رہنا پڑتا تھا۔ میں نے بادشاہ سے کہا کہ گھر جانا چاہتا ہوں اور چھٹی لے کر وہاں سے چل دیا۔ جب بادشاہ کی سلطنت سے باہر نکل گیا تو ایک خط لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا کہ اب میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔

یہ ہے ہمارے ابن بطوطہ کے وزیر بننے کا پہلا واقعہ۔ دوسرا واقعہ اس طرح لکھتا ہے:۔

ب۔ وزیر کی تلاش

"میں نے بادشاہ خوش اقبال کے حالات سوداگروں سے سنے تھے۔ سوداگروں نے بتایا تھا کہ بادشاہ خوش اقبال بڑا اچھا بادشاہ ہے اس کی سلطنت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پیتے ہیں۔ اس کی حکومت میں چوری، ڈاکہ اور بری باتوں کا دور دور تک پتہ نہیں۔ جگہ جگہ مسافر خانے اور سرائیں ہیں۔ ملک بھر میں سڑکوں کا جال بچھا ہے۔ بادشاہ خوش اقبال کی سلطنت کا یہ حال سنا تو شوق پیدا ہوا کہ چل کر اس ملک کی بھی سیر کرنا چاہیے۔ میں ایک قافلے کے ساتھ اس ملک میں پہنچا۔ ایک سرائے

میں اپنا سامان رکھا پھر شہر دیکھنے نکل کھڑا ہوا۔ میں نے اس دن شہر میں بڑی چہل پہل دیکھی۔ لوگ اچھے اچھے کپڑے پہنے ایک طرف کو جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آٹھ دس دن ہوئے، بادشاہ کے وزیر کا انتقال ہو گیا۔ وزیر بڑا نیک اور سمجھدار تھا۔ اس نے ملک کا بڑا اچھا انتظام کیا تھا۔ وہ بادشاہ کو بڑے نیک مشورے دیا کرتا تھا۔ بادشاہ کو اسی طرح کے وزیر کی تلاش ہے۔ آج بادشاہ اپنے لئے ایک وزیر کو چنے گا۔ اس نے اعلان کرا دیا ہے کہ جو لوگ وزیر بننا چاہتے ہوں وہ بادشاہ باغ میں اکٹھے ہو جائیں۔ لوگ اسی لئے بادشاہ باغ جا رہے ہیں۔ وہ لوگ بھی جا رہے ہیں جو وزیر بننا چاہتے ہیں اور بہت سے تماشائی بھی۔

بیل گاڑی والا

یہ سُنا تو میرا جی چاہا کہ چل کر دیکھوں، کیا ہوتا ہے؟ بادشاہ وزیر کو کس طرح چُنے گا؟ میں نے بادشاہ باغ کا پتہ پوچھا، معلوم ہوا کہ بادشاہ باغ شہر سے تین کوس اتر کی طرف ہے۔ میں اسی طرف چل دیا۔ پیدل اور سواریوں پر لوگ اسی طرف بھاگے چلے جا رہے تھے۔ میں ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا بس یہی کوس ڈیڑھ کوس، کیا دیکھتا ہوں کہ سڑک کے ایک طرف گڈھے میں ایک کسان کی بیل گاڑی پھنسی پڑی ہے۔ کسان بے چارہ کھڈ سے گاڑی نکالنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے مگر اکیلے اس سے کچھ بنائے نہیں بنتا۔ وہ مدد کے لئے لوگوں کو پکارتا ہے مگر لوگوں کو آج فرصت کہاں؟ وہ تو وزیر بننے یا تماشا دیکھنے بگ ٹٹ چلے جا رہے تھے۔

کسان بار بار زور لگاتا، بیلوں کو بھی ڈانٹتا مگر کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ وہ تھک کر گاڑی کو ادھر اُدھر دیکھنے لگتا۔ مجھے کسان پر بڑا ترس آیا۔ میں اس کے پاس گیا۔ میں نے اس سے کہا "اللہ کے بندے! جاکر گاڑی پر بیٹھ، بیلوں کو سنبھال، میں پہیئے کو پکڑ کر زور لگاتا ہوں، خدا نے چاہا تو گاڑی کھڈ سے نکل جائے گی۔" کسان نے میری طرف دیکھا، جاکر گاڑی پر بیٹھا، نیچے سے میں نے پہیہ پکڑ کر بھرپور زور لگا دیا۔ اُدھر اس نے بیلوں کی دم پکڑ کر "تِک تِک" کی آواز لگائی تو پہلی ہی بار گاڑی کھڈ سے نکل گئی اور سڑک پر آگئی۔ اس کوشش میں میرے کپڑے خراب ہو گئے۔ کھڈ میں کیچڑ تھی اس کیچڑ میں اترنے اور پہیہ پکڑ کر کھینچنے میں میرے کپڑے لت پت ہو گئے۔ اب میں سوچنے لگا کہ شہر واپس جاؤں اور کپڑے بدلوں۔ میں واپس ہونے لگا تو کسان نے کہا "بھائی! کہاں جا رہے تھے اور اب کہاں واپس ہو رہے ہو؟" میں نے بتایا کہ بادشاہ باغ جا رہا تھا، اب کپڑے خراب ہو گئے ہیں اسی لئے واپس جا رہا ہوں۔" کسان نے کہا۔ "میں بھی اسی طرف جا رہا ہوں میرے پاس دوسرے کپڑے ہیں، آپ وہ کپڑے پہن لیں، گاڑی پر بیٹھ جائیں چل کر تماشا دیکھیں۔"

کسان کی باتیں سُنیں تو میں اس کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ ایسی اچھی باتیں کر رہا تھا جیسے کوئی بڑا آدمی ہو اور بعد میں غریب ہو گیا ہو لیکن عادتیں وہی رہی ہوں۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ کپڑے بدلے، گاڑی پر بیٹھا اور گاڑی سڑک پر چل پڑی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی بادشاہ باغ کے پاس پہنچی۔ کسان نے گاڑی ایک جگہ روکی۔ اترا۔ اس کے ساتھ میں بھی اتر پڑا۔ اس نے بیلوں کو ایک درخت کی جڑ سے باندھ دیا پھر مجھ سے بولا "آیئے باغ کے

اندر چلیں "۔ اندر جاکر دیکھا تو سارا باغ لوگوں سے بھرا تھا۔ بہت سے لوگ آگے پڑی ہوئی کرسیوں اور بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ بادشاہ ابھی آیا نہیں تھا۔ سامنے اونچائی پر شاہی تخت تھا۔ اس تخت کے آس پاس بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے۔ لوگ بادشاہ کے آنے کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ کسان مجھے ایک ایسی طرف لے چلا کہ ادھر سے تخت شاہی تک جانا آسان تھا۔ وہ مجھے شاہی تخت کے قریب لے گیا۔ مجھے ایک خالی کرسی پر بٹھایا اور خود تخت کی طرف بڑھا۔ کسان کو تخت کی طرف بڑھتے دیکھ کر سپاہی دوڑ پڑے اور انھوں نے ادھر جانے سے کسان کو روکا۔ کسان یہ دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے سر کی پگڑی کھولی تو لوگوں نے دیکھا کہ پگڑی کے اندر شاہی تاج ہے۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جیب سے ایک انگوٹھی نکالی۔ اس انگوٹھی کے نگ پر بادشاہ خوش اقبال کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ انگوٹھی اس نے انگلی میں پہن لی۔

• تاج اور انگوٹھی دیکھ کر سب نے پہچان لیا کہ یہی بادشاہ ہے۔ اب کوئی نہ بولا۔ کسان جاکر تخت پر بیٹھ گیا اور میں ہکا بکا ہو کر بادشاہ کو دیکھنے لگا۔

وزیر چُن لیا

تخت پر بیٹھ کر بادشاہ نے کہا " میں نے اپنا وزیر چُن لیا۔ میں ایسے آدمی کو اپنا وزیر بنانا چاہتا تھا جو دوسروں کی خدمت کرنے میں اپنے نقصان کی پرواہ نہ کرے۔ ایسا آدمی مجھے مل گیا۔ یہ کہہ کر مجھے بادشاہ نے اشارہ کیا کہ تخت کے پاس آؤں۔ میں تخت کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ بولا " یہ دیکھو، یہ ہے میرا وزیر جسے میں نے کسان بن کر چنا۔ میں نے تم سب سے مدد چاہی کہ آکر گاڑی کو کھڈ سے نکلوا دو، تم میں سے کسی سے نہ ہو سکا

کہ تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس آجاتا۔ ہاں، اس نے آکر میرا ہاتھ بٹایا۔ اس کو کچھ بھی لالچ نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وزیر ہوگا تو میری رعایا کے سُکھ اور آرام کا خیال رکھے گا۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے تخت کے داہنی طرف پڑی ہوئی ایک کرسی پر مجھے بٹھا دیا۔ تمام لوگوں نے خوش ہو کر نعرہ مارا "نیک وزیر زندہ باد، حکومت پائندہ باد۔"

لیجیے، میں وزیر ہو گیا۔ میں چار برس اور سات مہینے وزیر رہا۔ اسکے بعد پھر میری پسلی پھڑکی۔ میں سیر و سفر کے لئے بے چین ہونے لگا۔ بادشاہ سے چھ ماہ کی چھٹی لی کہ وطن ہو آؤں۔ بادشاہ نے چھٹی دے دی۔ جب میں وہاں سے چلا تو بادشاہ نے بہت سے غلام ساتھ کر دیئے اور بہت سا سامان میرے لئے لدوا دیا۔ جب میں اس سامان کے ساتھ بادشاہ کی سلطنت سے باہر نکل آیا تو سارا سامان غلاموں میں تقسیم کر دیا اور ان سے کہا "جاؤ، اب تم سب لوٹ جاؤ۔"

غلاموں نے مجھے سلام کیا اور چلے گئے۔ پھر میں اس ملک کی طرف نہیں گیا۔ ایک بار ایک قافلہ اس طرف جا رہا تھا، میں قافلہ کے ذریعہ ایک خط بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا کہ اب میں نہ آسکوں گا۔"

وزیر بننے کے یہ دونوں واقعے لکھ کر ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اگر اللہ کی توفیق کسی کے ساتھ ہو تو وہ اچانک وہ کچھ پا جاتا ہے جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر وقت اللہ سے توفیق طلب کرتے رہیں۔ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ اس کے بعد ابن بطوطہ نے قرآن کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

ایک آیت کا کرشمہ

- ڈاکٹر لقمان
- ملاقات کا شوق
- ڈاکٹر کا مکان
- ملاقات
- آپ کس طرح مسلمان ہوئے؟
- نبوّتِ محمّدی کی دلیل

ہمارا ابن بطوطہ کسی تمہید کے بغیر لکھتا ہے کہ :-

”میں نے سوچا تو یہ تھا کہ جتنے دنوں جہاز ساحل پر ٹھہرا رہے گا بس اتنے ہی دنوں میں جزیرے کے ساحلی علاقوں کی سیر کروں گا۔ جہاز میں کچھ خرابی آ جانے پر وہ جزیرے کے ساحل پر رک جانے پر مجبور ہو گیا جب میں جہاز سے ساحل پر اترا تو جزیرے کے ایک ڈاکٹر لقمان کا نام سننے میں آیا۔ ہر ایک کو اس کی تعریف کرتے پایا۔ ڈاکٹر لقمان کے بارے میں کوئی کہتا ”وہ فرشتہ ہے“ کوئی کہتا ”ڈاکٹر سچائی کا پتلہ ہے“ کسی سے سنا کہ ڈاکٹر سے بڑھ کر کسی کو بھلا مانس نہیں دیکھا۔ کسی کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر سچ کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ کسی کی زبان پر تھا کہ اللہ کے بندوں کی خدمت جیسی ڈاکٹر لقمان کرتا ہے، دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔ مہمانوں کی خاطر تواضع ایسی کرتا ہے کہ جواب نہیں۔ کوئی یوں تعریف کرتا کہ بیماروں سے وہ علاج اور دواؤں کی رقم بھی نہیں مانگتا۔ جس کا جی چاہتا ہے دوا اور فیس کی رقم دے دیتا ہے۔ کیسا ہی مریض ہو، کتنی ہی دور کا ہو، ڈاکٹر کو پتہ چل جائے، وہ اسے دیکھنے ضرور جائے گا اسے نہ تو فیس کی پروا اور نہ دوا علاج کی رقم کی خواہش۔ الٹے غریبوں پر اپنی رقم خرچ کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر لقمان

ڈاکٹر کے بارے میں یہ اور اس طرح کی باتیں سنتے سنتے اکتا گیا۔ ایک جگہ میں نے سنا کہ جزیرے کے بادشاہ نے جب ڈاکٹر کی شہرت سنی تو اسے بلایا اور اپنا درباری بنالیا۔ درباری بنانے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکٹر کے سلسلے سے بادشاہ رعایا کو قابو میں رکھ سکے گا اور اگر کسی کے باغی ہونے کا خطرہ ہوگا تو ڈاکٹر سے دباؤ ڈلوا کر بغاوت کو ناکام کردے گا۔ ڈاکٹر نے یہ سوچا تھا کہ اس طرح شاید وہ جزیرے کی رعایا کی بھلائی کا کوئی ایسا کام کر جائے جس سے زیادہ سے زیادہ غریبوں کو فائدہ پہنچے اُسنے اسی لیے درباری ہونا منظور کر لیا تھا لیکن اس نے دربار میں پہنچ کر دیکھا کہ خوشامدی لوگ بادشاہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ جا و بے جا اور موقع بے موقع چاپلوسی کی باتیں کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں اور بادشاہ سب سے زیادہ اسی سے خوش رہتا ہے جو سب سے زیادہ خوشامدی اور چاپلوس ہو، تو ڈاکٹر کا دل کھٹا پڑ گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہاں انصاف کا نام نہیں، سچائی کا کام نہیں۔ چالاک لوگ اپنے فائدے کے لئے لوگوں کا حق دبا بیٹھتے ہیں۔ غریبوں کی کوئی نہیں سنتا۔ ڈاکٹر نے رعایا کی بھلائی کے لئے کئی بار کوشش کی لیکن اس کی ایک نہ چلی۔ بات یہ تھی کہ وہ نہ تو خوشامدی تھا نہ چاپلوس۔ خوشامدانہ باتیں اس سے آتی ہی نہیں تھیں اور بادشاہ ٹھہرا خوشامد پسند۔ تو پھر ہوا یہ کہ ڈاکٹر دربار سے الگ ہو گیا۔ اس کے الگ ہو جانے سے بادشاہ بہت خفا ہوا لیکن اس کی یہ ہمت نہ پڑی کہ ڈاکٹر کو کچھ سزا دے یا نقصان

پہنچائے۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر ڈاکٹر سے کوئی برا برتاؤ کرے گا تو رعایا بھڑک جائے گی۔ پھر بھی اس نے اپنے گرگے ڈاکٹر کے پیچھے لگا دیئے تاکہ وہ چھپے چھپے ایسی چالیں چلیں کہ ڈاکٹر پریشان ہوکر راجدھانی سے کہیں دور چلا جائے۔

لوگوں نے بتایا کہ ڈاکٹر لقمان جس دن دربار سے نکلا تھا، اسے خود اس بات کا کھٹکا تھا۔ وہ ایک ہفتہ ہی راجدھانی میں رہا، اس کے بعد وہ راجدھانی سے چالیس میل دور ایک گاؤں میں چلا گیا اور اب وہاں خدا کے بندوں کی خدمت بڑی لگن کے ساتھ کر رہا ہے۔

ملاقات کا شوق

ڈاکٹر کی اتنی تعریف سُنی تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ڈاکٹر کے بارے میں لاکھ بڑھا چڑھا کر لوگوں نے بیان کیا ہو لیکن ان باتوں میں کچھ سچائی ضرور ہے۔ پھر جب میں نے یہ بھی سُنا کہ ڈاکٹر پہلے عیسائی تھا اور اب وہ مسلمان ہے تو میرا جی چاہنے لگا کہ اس سے ضرور ملوں۔

جزیرے کے ساحل پر میرا جہاز پانچ دن ٹھہرا رہا۔ جہاز میں کچھ خرابی آگئی تھی، اسی لئے اسے یہاں روکا گیا تھا۔ جہاز والوں نے محنت کرکے جہاز کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ چھٹے دن جہاز نے جزیرے کے ساحل کو چھوڑ دیا۔ جہاز کے چھوٹتے وقت میں جان کر غیر حاضر ہوگیا۔ جہاز والوں نے مجھے ڈھونڈا مگر وہ مجھے پا نہ سکے۔ جب میں حاضر نہ ہوا تو وہ کیا کرتے۔ انھوں نے مجھے یہیں چھوڑ دیا۔ میں ڈاکٹر سے ملنے اس کے گاؤں کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

مجھے ڈاکٹر کے گاؤں پہنچنے میں پانچ دن لگے۔ راستے میں میں نے

بہت سی ایسی باتیں دیکھی سُنیں جو نوٹ کر لینے کے لائق تھیں، وہ سب میں اپنی ڈائری میں لکھتا گیا۔ ڈاکٹر کے بارے میں میں نے جو کچھ راجدھانی میں سُنا تھا، اس کی سچائی راستے ہی میں مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ ڈاکٹر لقمان جزیرے بھر میں اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ راستہ میں مجھے بہت سے ایسے لوگ ملے جو دوا علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس جا رہے تھے۔ میں انہی کے ساتھ ہو لیا۔ ان سب نے بھی ڈاکٹر کے بارے میں وہی کچھ کہا جو میں سُن چکا تھا۔ راستے کی ان گواہیوں نے مجھے یقین دلا دیا کہ سچ مچ ڈاکٹر ایسا ہی ہے جیسا میں نے سُنا ہے۔ میں نے ڈاکٹر سے باتیں کرنے کے لئے دل ہی دل میں بہت سی باتیں سوچ لیں۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ خاص طور پر اس سے یہ ضرور پوچھوں گا کہ آپ اسلام کی کس بات سے زیادہ متاثر ہوئے؟

ڈاکٹر کا مکان

جب میں گاؤں میں پہنچا تو سچ مچ میں نے دیکھا کہ ساری آبادی ڈاکٹر کا کلمہ پڑھ رہی تھی۔ سب بڑی عزت اور ادب سے اس کا نام لے رہے تھے۔ عورتیں اور مرد سب کے سب اس کے اچھے برتاؤ اور نیک سلوک سے ایسے دبے ہوئے تھے جیسے اس کے غلام ہوں۔

میں مریضوں اور بیماروں کے ساتھ ڈاکٹر کے یہاں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر کا مکان کوئی محل نہیں تھا، نہ اس کا مطب کوئی بہت بڑا دواخانہ۔ اس کے رہنے کے لئے ایک معمولی سا مکان تھا بالکل ایسا جیسے دوسرے مکان۔ فرق صرف یہ تھا کہ ڈاکٹر لقمان کے مکان میں ہوا اور دھوپ کے رخ پر کھڑکیاں،

زیادہ تھیں اور اس کے مکان کے آس پاس پھولوں کے کچھ پودے گملوں میں نہیں، زمین میں قطار سے لگے ہوئے تھے۔ یہ پودے اس طرح لگائے گئے تھے کہ ان کے بیچ ایک طرف بڑا سا میدان تھا۔ اسی میدان میں بنچیں پڑی تھیں ایک طرف سامنے چوکی بچھی تھی۔ اس چوکی کے پاس چھوٹا سا اسٹول رکھا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ ڈاکٹر اسی چوکی پر بیٹھتا ہے اور اس اسٹول پر بیماروں کو بٹھا کر نبض دیکھتا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ میں تھا، وہ سب صبح کے وقت گاؤں پہنچے، سیدھے اسی طرف گئے اور بنچوں پر بیٹھ گئے۔ میں بھی انہی کے ساتھ جا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر اپنے گھر سے سورج نکلنے کے پون گھنٹہ بعد نکلا۔ جیسے ہی اس کے چہرے پر میری نظر پڑی "سبحان اللہ" میری زبان سے نکلا۔ ڈاکٹر چالیس پچاس کے بیچ یعنی ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ ڈاکٹر کا رنگ روپ گورا چٹا تھا اور چہرے پر کالی اور گھنی ڈاڑھی تھی۔ ڈاڑھی کے گنتی کے کچھ بال سفید تھے۔ اس کا چہرہ مہرہ دیکھ کر اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ اس کے چہرے پر نور برس رہا تھا۔ ڈاکٹر نے آکر خود ہی سب کو سلام کیا۔ "السلام علیکم مَنِ اتَّبَعَ الہدیٰ" (یعنی اس پر سلام ہو جو اللہ کی ہدایت کا تابعدار ہو) اس کا سلام سن کر سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے جواب دیا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ اتنے لوگوں کے درمیان ایک میں نے اس کے سلام کا جواب دیا تو ڈاکٹر چونک سا پڑا۔ اس نے مجھے دیکھا پھر وہ اپنی چوکی پر بیٹھ گیا۔ مریضوں کو دیکھنے لگا۔ وہ مریضوں کو دیکھتا جاتا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھ پر ایک اچٹتی نظر ڈالتا جاتا۔ ڈاکٹر جس مریض کو دیکھتا، اس سے کہتا "بھائی! ڈاکٹر کا کام کوشش کرنا ہے۔ اللہ نے مجھے جو علم دیا ہے

میں اسی کے مطابق تمہارا علاج کر دوں گا لیکن اچھا کرنا اس خدا کے ہاتھ میں ہے جس نے ہم کو تم کو اور سارے جہان کو پیدا کیا ہے۔ اسی خدا نے یہ جڑی بوٹیاں پیدا کیں جو ہم دواؤں کے کام میں لاتے ہیں۔

میرے پاس کے کچھ لوگ نسخے لکھا کر آئے تو میں نے دیکھا، نسخے پر سب سے اوپر لکھا ہوا تھا "اللہ شافی اللہ کافی"۔

آپ تشریف لائیے!" ٹھیک اس وقت ڈاکٹر نے مجھے اشارہ کیا جب میرے داہنی طرف بیٹھا ہوا مریض اپنا نسخہ لکھا چکا۔ میں اشارہ پاتے ہی اسٹول پر جا بیٹھا اور اپنا ہاتھ ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ اس وقت میرے دل میں دراصل بات یہ آئی کہ میں آیا تو ملنے ہوں، کیوں نہ ہاتھ دکھا دوں، شاید ڈاکٹر میرے لئے کوئی ایسا نسخہ لکھ دے جو میرے ایسے سیلانی کے لئے سفر میں کام دے۔ ڈاکٹر نے میری نبض پر انگلیاں رکھیں۔ ڈاکٹر کی انگلیاں میری نبض پر تھیں اور اس کی نظر میرے چہرے پر۔ میں نے اپنی نظریں نیچی کر لی تھیں۔ اس وقت میرا دل دھک دھک ہو رہا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ میں بیمار نہ تھا۔ میں تو اس سے ملنے گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کئی منٹ بڑے دھیان سے نبض دیکھی۔ پھر "الحمدللہ" اس کی زبان سے نکلا۔ کہنے لگا:

"بھائی! تمھیں کوئی بیماری تو نہیں معلوم ہوتی۔ تم جانو، ہم ڈاکٹر لوگ اندھیری کوٹھری میں ٹٹولنے والے ہیں، جو کچھ ہمارے ہاتھ لگ جاتا ہے اسی کے مطابق مشورہ دے دیتے ہیں۔ اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے تو ہماری دوا کام کرتی ہے ورنہ نہیں۔ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ میں سمجھ نہ سکا کہ آپ کے اندر کیا بیماری ہے۔ آپ خود بتائیں، آپ کو کیا شکایت ہے؟"

ڈاکٹر کے یہ پوچھنے پر میں کھسیا گیا۔ اب میں نے صاف بات بتائی

کہ دراصل میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔

ملاقات

"آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں؟" ڈاکٹر اُٹھ کھڑا ہوا، "تو پھر آپ کو میرے گھر آنا چاہیئے تھا۔ آپ تو میرے مہمان ہیں، آپ یہاں کیوں بیٹھے رہے؟ مجھے آپ سے شکایت ہے، آپ مجھے اس کا جواب دیں!" ڈاکٹر کے کھڑے ہونے سے میں بھی کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے مجھے گلے لگا لیا، اس نے میری گردن چومی، میری پیٹھ تھپکتا رہا اور کہتا رہا، میرے پیارے مہمان تمھارا آنا مبارک، تمھارا آنا سر آنکھوں پر۔

ڈاکٹر کے اس برتاؤ کو دیکھ کر میں بہت شرمندہ ہوا۔ میں نے ڈاکٹر سے معافی مانگی۔ میرے معافی مانگنے پر ڈاکٹر نے پھر مجھ کو گلے سے لگا لیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی ان مریضوں کو دیکھا جو باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اُٹھا۔ اپنے گھر لے گیا۔ گھر میں اسکی بیوی اور بچے تھے۔ اس نے اپنے بچوں سے ملایا۔ سب بڑی خوشی سے ملے۔ ڈاکٹر نے مجھے اپنے کمرے میں ٹھہرایا۔ میرا حال پوچھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں دنیا کی سیر کو نکلا ہوں۔ پھر تو وہ بہت ہی خوش ہوا۔ کہنے لگا اللہ کا شکر ہے کہ آپ یہاں آئے۔ میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔"

کھانا تیار ہو چکا تھا۔ میرے پہنچنے پر جھٹ دسترخوان بچھایا گیا۔ اس کے گھر والوں کے ساتھ میں نے کھانا کھایا۔ میں نے اس کی بیوی کو دیکھا، اس کے لباس کو دیکھا۔ وہ ڈھیلی ڈھالی پوشاک پہنے تھی اور اس کا صرف چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کھانے میں ہمارے ساتھ شریک نہیں

ہوئی۔ باقی سارے ہی بچے ہمارے ساتھ کھا رہے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد ڈاکٹر اپنے کمرے میں لے گیا۔ میرا حال پوچھنے لگا۔ میں نے اب تک جو دنیا دیکھی تھی اور جو کچھ مجھے یاد رہ گیا تھا وہ سب اسے بتایا۔ ڈاکٹر بار بار "مرحبا جزاک اللہ" کہتا۔ وہ میرے سفر کا حال سُن سُن کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ میرے سیر و سفر میں بڑے عجیب و غریب واقعات سامنے آئے تو ڈاکٹر نے اپنے گھر والوں کو (بیوی بچوں سمیت) اسی کمرے میں بلا لیا۔ بچوں کو پاس دیکھ کر میں نے جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں، ریگستانوں درندوں، پرندوں اور لوگوں کے حالات خوب پھیلا کر بیان کئے۔ مجھے بھی مزہ آیا اور سننے والوں کو بھی۔ اس دن دوپہر کو ڈاکٹر سو بھی نہ سکا۔ ظہر تک میں اپنی کہتا رہا۔ پھر ہم سب نے نماز پڑھی۔ نماز میں ڈاکٹر نے مجھے امام بنایا میرے پیچھے اس نے اور اس کے بچوں نے جماعت سے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر کہنے لگا "خدا کا شکر ہے کہ برسوں بعد ہمیں ایک مسلمان مہمان نصیب ہوا ورنہ یہاں بس ہم ہی مسلمان ہیں"

"اچھا یہ بات ہے، مگر میں نے سُنا ہے کہ آپ پہلے عیسائی تھے، بعد میں مسلمان ہوئے"

آپ کس طرح مسلمان ہوئے؟

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اسلام کی کس بات سے آپ مسلمان ہوئے؟" میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا "ضرور ضرور، میں یہ بات ضرور بتا دوں گا۔ میرے بھائی! قرآن پاک کی صرف ایک آیت نے مجھے مسلمان کیا!"

"تو کیا آپ نے کسی مسلمان سے قرآن مجید پڑھا؟" میں نے بات کاٹ کر ڈاکٹر سے پھر پوچھا۔ اس نے کہا "نہیں، میں نے آج تک آپ کے سوا کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کی۔"

"تو پھر آپ نے وہ آیت کہاں سُنی، جسے سُن کر آپ مسلمان ہوئے؟"

"ہاں بتاتا ہوں۔ دراصل میری جوانی سمندر کے سفر میں گذری۔ مجھے سمندروں کے دیکھنے اور سمندروں کی سیر کا اتنا شوق تھا کہ میں اپنے دن رات پانی اور آسمان کے بیچ جہاز پر ہی گزارتا تھا۔ اپنی اس زندگی پر اتنا خوش تھا، جیسے کہنا چاہئے کہ میں یہی سب دیکھنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اسی زمانے میں میں ایک جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ جہاز پر مجھے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ مل گیا۔ میں آپ کو یہ بتا دوں کہ جہاز پر وقت گزارنے کے لئے مجھے جو کتاب ملتی، میں اُسے پڑھا کرتا تھا۔ میں نے کلام پاک کو کھولا تو سورۂ نور کی ایک آیت میرے سامنے تھی۔ میں نے ترجمہ پڑھا۔ ترجمہ یہ تھا:

"ان کی مثال بڑے گہرے سمندروں کے اندر کے اندھیروں کی سی ہے اس طرح کہ سمندر کو لہروں نے ڈھانک رکھا ہے۔ لہر کے اوپر لہر ہے، اس کے اوپر بادل ہے یعنی اندھیرے پر اندھیرا۔ اس حال میں ایک شخص سمندر کے اندر اپنا ہاتھ نکالے تو امید نہیں کہ وہ کچھ دیکھ سکے۔ جس کو خدا روشنی نہ دے اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔"

میں نے یہ ترجمہ بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ اس آیت میں ایک بھٹکے ہوئے شخص کے بارے میں کہا گیا ہے اور اس کے بارے میں سمجھانے کے

لئے یہ بڑی اچھی مثال دی ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے، ایک بھٹکا ہوا شخص جسے راستہ نہیں مل رہا ہے، غلط راستوں پر جاتا ہے ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن اسے سیدھا راستہ نہیں ملتا۔ خوب ہے یہ مثال، اندھیری رات، بادل چھائے ہوئے اور پھر وہ شخص سمندر کی گہرائی میں۔ بھٹکے ہوئے انسان کی اس سے بہتر مثال نہیں دی جا سکتی۔ جب میں نے آیت کا یہ ترجمہ پڑھا تو میں جھوم اٹھا۔ میرے دل نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور سمندروں کے سفر کئے ہوں گے اور پھر وہ بہت بڑے ادیب بھی ہوں گے۔ اتنے بڑے ادیب کہ ہر چیز کا نقشہ الفاظ کے ذریعہ کھینچنے میں استاد ہوں گے۔

نبوّتِ محمدیؐ کی دلیل

میرے مہمان بھائی! آپ مسکرا رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا، آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔ آپ اسی بات پر تو مسکرائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ادیب تھے، نہ شاعر اور نہ پڑھے لکھے ہی تھے۔ ہاں! یہ بات میں نے بعد میں جانی۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر میں یہ نہ جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے تو میں ہرگز مسلمان نہ ہوتا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض اُمّی تھے تو میں دنگ رہ گیا۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ قرآن پر کبھی نظرثانی تک نہیں ہوئی۔ پھر جانا کہ عربوں نے بہت کوشش کی کہ اس جیسی صرف ایک سورہ ہی بنا لیں لیکن وہ ناکام رہے تو میری حالت ایسی ہو گئی جیسے میرے سر میں دماغ ہی نہ رہ گیا ہو۔ پھر جب ذرا میرا دل ٹھہرا تو اچانک میرے اندر ایک روشنی پیدا ہوئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ میں نے قرآن پاک کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا، سینے سے لگایا اور میں اس کی تعلیم پر ایمان لے آیا۔"

ڈاکٹر لقمان کے مسلمان ہونے کی کہانی سُن کر میرے ایمان میں بڑی مضبوطی آئی۔ ساتھ ہی مجھے ڈاکٹر صاحب کی عقلمندی پر تعجب ہوا کہ انھوں نے کتابیں پڑھ پڑھ کر سارے اسلامی طریقے اپنا لئے اور میں نے ڈیڑھ مہینہ ان کے ساتھ رہ کر دیکھا کہ ان کا اسلامی عقیدہ بھی بالکل ٹھیک تھا اور ان کے کام بھی اسلامی شریعت کے مطابق تھے۔

ڈیڑھ مہینے کے بعد جب میں وہاں سے چلا تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا "جزیرے والے آپ کو اتنا مانتے ہیں کہ اگر آپ ان سے ان کی طبیعت کے خلاف بھی کوئی بات کہیں تو وہ مان لیں گے۔ وہ دل و جان سے ہر بات میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ ایسی حالت میں آپ کو یہ ضرور کرنا چاہیئے کہ جس دین کو آپ نے اپنے لئے نجات کا ذریعہ سمجھا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ جس دین کی باتوں پر عمل کر کے ایک انسان اچھا انسان بن سکتا ہے، اس دین کو اپنانے کے لئے آپ دوسروں کو بھی ابھاریں ورنہ آپ قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ جب آپ سے پوچھا جائے گا کہ خود اسلام کی دولت لوٹ لی اور دوسروں کو محروم رکھا۔"

میری اس بات کے جواب میں ڈاکٹر نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے میں نے بھی دعا کی۔ پھر میں اپنے دل میں اس نیک اور شریف ڈاکٹر کی یاد لئے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ راجدھانی میں آیا اور پھر جو جہاز کسی طرف بھی جانے کے لئے ملا، اسی پر سوار ہو کر چل دیا۔"

مالدیپ کی سیر

ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں جزائر مالدیپ کا حال اس تفصیل اور مسرت سے لکھا ہے کہ ہر سطر سے اس کی خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ شاید اس کی خوشی ہی اس کا سبب بنی کہ اس نے ان جزیروں کا حال خوب پھیلا کر لکھا ہے۔ ہمارا ابن بطوطہ مالدیپ کے جزیروں کی تفصیل میں یہاں تک گیا ہے کہ اس نے اس مجمع الجزائر کی لمبائی، چوڑائی، آبادی، پیشہ صنعت و حرفت، طریق عبادت اور طریق حکمرانی غرضیکہ ہر اس بات کو اس نے سپرد قرطاس کرنے کی کوشش کی ہے جو اس ملک سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جزائر مالدیپ سے اپنے حسن ظن اور خوشی کا سبب وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

"اللہ کی بنائی ہوئی اس وسیع زمین میں ان چھوٹے چھوٹے جزیروں کی اہمیت میری نظر میں اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ عرب کے علاوہ بھی ایک ایسا خطۂ زمین ہے جہاں اسلامی قانون رائج ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کے اعتبار سے دنیا کی تمام مسلم ریاستوں میں اس ریاست کو شرف اور عزت حاصل ہے جہاں سو فیصدی

مسلمانوں کی آبادی ہے۔"

ہم نے اس کے سفر نامے سے جزائر مالدیپ کے متعلق معلومات نقل کرتے وقت تفصیل کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے۔ امید ہے کہ جوان سطور کو پڑھے گا، عبرت ونصیحت حاصل کرے گا۔ ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے

○

"خطِ استوا پر لنکا سے ۶۷۰ کلومیٹر[۱] دور بحر ہند کے جنوبی مغربی حصے میں دو ہزار چھوٹے بڑے جزیرے سات سو پچاس کلومیٹر کی لمبائی اور ایک سو بارہ کلومیٹر کی چوڑائی میں پھیلے چلے گئے ہیں۔ یہ دو ہزار جزیرے اٹھارہ حصوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں، جن میں سے دو سو جزیرے ریاست کے دفاتر کے لئے مخصوص ہیں اور باقی جزیروں میں کاشتکاری ہوتی ہے۔ کل آبادی ایک لاکھ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس لمبے چوڑے مجمع الجزائر میں صرف ایک ہی بندرگاہ ہے۔ اس بندرگاہ کا نام "مالی" ہے۔ مالی بڑی پُر بہار اور بارونق جگہ ہے۔ یہاں آنے والے سیّاح کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ایک خوبصورت باغیچہ میں ٹہل رہا ہو۔ قریب قریب ہر گھر کے صحن میں آم، ناریل اور کیلے کے درخت موجود ہیں اور ساری آبادی ایک ہرابھرا باغ نظر آتی ہے۔ جن سیّاحوں نے مالدیپ دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ شاید کشمیر کے مناظر بھی ایسے خوشنما نہیں ہیں جیسے یہاں کے ہیں۔

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ان جزائر میں اسلام آنے سے پہلے

---

[۱] ہم نے سفر نامے میں درج شدہ فاصلے کو آج کل کے مروجہ پیمانے میں تبدیل کر دیا ہے (مرتب)

بودھ مت رائج تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل یہاں کے رہنے والوں پر ہوا تو عرب تاجروں کی ایک جماعت کے ذریعہ یہاں اسلام کی روشنی پہنچی اور اب صورتحال یہ ہے کہ ان جزیروں میں سو فیصدی مسلمان آباد ہیں۔ جس جماعت کے ذریعہ ان جزیروں کو دین کی نعمت ملی، انکے امیر کا نام الشیخ الحافظ ابو البرکات یوسف بربری المغربی تھا (رحمۃ اللہ علیہ) علامہ یوسف بربری ایک بہت ہی بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے جو صرف اسلام کی تبلیغ کے لئے یہاں آئے تھے۔ شیخ صاحب نے اپنی پوری زندگی اسلام پھیلانے کے لئے وقف کر دی تھی۔ وہ دن رات اپنی کام میں لگے رہتے تھے۔ ان جزیروں کے لوگوں تک اسلام چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) میں پہنچا اور کچھ اس طرح پہنچا کہ اسلام کے ساتھ ان کا مخلصانہ تعلق باقی ہے۔ تبدیل مذہب کی وجہ سے مالدیپی مسلمانوں پر طرح طرح کے مصائب آئے لیکن وہ ہر مرحلے میں اسلام کے محافظ بنے رہے اور کبھی کسی غیر کے اثرات کو قبول نہیں کیا۔[۱]

---

[۱] آج بھی اللہ کے فضل سے مالدیپی مسلمان اس اعتبار سے بہت آگے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ یورپین قوموں نے ان پر بڑے بڑے دباؤ ڈالے۔ انگریزوں نے ان جزائر پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور انھوں نے اپنے اثرات پھیلانا شروع کر دیئے تھے۔ لیکن یہاں کے مسلمان ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں ان کو نکالنے میں کامیاب ہی ہوگئے۔ جس زمانے میں پرتگالیوں کا دور دورہ تھا اور وہ سارے بحر ہند پر اپنی کشتیاں اور جہاز لئے دندناتے پھر رہے تھے اس زمانے میں بھی دس سال سے زیادہ مالدیپ (باقی ص۱۸۲ پر)

یہاں کی عمارتوں کے متعلق ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہاں عمارتیں نہایت خوبصورت بنی ہیں جو عام طور پر یک منزلہ ہیں۔ سرکاری عمارتوں میں سے صرف ایک دفتر کی عمارت دو منزلہ ہے یا پھر یہاں کے سلطان کے خاص محل جو نہایت سادہ اور نفیس بنے ہیں، خاص ضرورتوں کے پیشِ نظر دو منزلہ ہیں۔ یہاں کے مسلمان اپنے حکمراں کو سلطان کہتے ہیں اور اس سے بے انتہا عقیدت رکھتے ہیں۔ اسی عقیدت کی وجہ سے وہ کسی قانونی رکاوٹ کے بغیر خاص محل کے مقابلے میں دو منزلہ عمارت بنانا پسند نہیں کرتے۔

مالدیپ کے مسلمان اپنے سلطان کو رائے شماری کے ذریعہ چنتے ہیں۔ سلطان کو مدد دینے کے لئے ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب بھی رائے شماری سے ہوتا ہے۔ سلطان مجلسِ شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ ملک کا انتظام اور دوسری تمام ذمہ داریاں شوریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ محکمۂ قضا (انصاف کا محکمہ۔ عدلیہ) ایک الگ بااختیار ادارہ ہے جو شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کے فیصلوں کا نفاذ بھی اسی ادارے کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ہمارا ابن بطوطہ جزائرِ مالدیپ کا حال لکھتے ہوئے بار بار اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱) مسلمانوں نے انھیں ٹکنے نہ دیا۔ پرجوش نوجوانوں نے پرتگالی فوجوں پر حملہ کر دیا اور انھیں اپنے علاقے سے نکال کر ہی دم لیا۔ کیسے خوش نصیب ہیں مالدیپی مسلمان کہ آج ان کے یہاں نہ کوئی انگریز پایا جاتا ہے نہ پرتگالی اور وہاں نہ کوئی غیر مسلم ہی ہے۔ (مرتب)

ملک کا نام بھی لیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ساری دنیا میں عرب کے علاوہ شاید یہی ایک تنہا ملک ہے جہاں شراب اور دوسری حرام اشیاء ممنوع ہونے کے علاوہ معدوم بھی ہیں۔ قانون کی رو سے ایسی ساری چیزیں حرام اور ناجائز ہیں۔ ان کا پاس رکھنا بھی جرم ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان جزیروں میں کہیں کوئی کتا نہیں پایا جاتا اور یہ صرف اس لئے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گھر میں کتا اور زندہ کی تصویر رکھنے سے برکت کے فرشتے نہیں آتے۔ یہاں کے مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت ہے اس کا اندازہ وہاں کتا نہ ہونے سے کیا جاسکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی، ستھرائی اور حیا کو ایمان کے اجزاء میں شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ مالدیپ کے مسلمانوں کی عام خصوصیت صفائی اور حیا ہے۔ وہ بڑے شرمیلے لیکن غیرت مند اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں ہر گھر کے باہر ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوتا ہے۔ گھر میں داخل ہونے والا ہر آدمی پہلے جوتا اتار کر اس حوض سے وضو کرتا ہے۔ اس طرح پاک صاف ہو کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ جوتا گھر کے کسی کونے میں الگ رکھ دیا جاتا ہے۔ گھر کے اندر اور باہر صفائی کی ذمہ داری ہر شخص کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان جزیروں میں گندگی نام کو بھی نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی سے متعلق فرمودہ حدیث کی زندہ تصویر مالدیپ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

عبادات کے سلسلے میں ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہاں کے اسلامی معاشرے میں نماز کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں نماز کے بغیر اسلامی زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں نماز چھوڑ دینا اور اس سے

غفلت اور سستی برتنا اتنا ہی بڑا جرم ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ حضورؐ کے زمانے میں لوگ اسے مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتے تھے جو کلمہ پڑھنے کے بعد نماز نہ پڑھتا ہو۔ چنانچہ منافق کو بھی نماز پڑھنا پڑتی تھی۔

مالدیپ میں ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ نماز کو قائم کرنے کا اہتمام کرے اور یہاں کی اسلامی حکومت پر بھی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے اس اہم رکن کی حفاظت کرے، ہر شخص کو نماز کا پابند بنائے۔ اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہے کہ مالدیپ کے ہر گلی کوچے میں ہر گھر کے لوگوں کی تعداد اس حلقے کی مسجد کے امام کے پاس رہتی ہے نہایت باقاعدگی کے ساتھ ہر نماز کے وقت محلے والوں کی حاضری لی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عذر کے بغیر مسجد میں نماز کے لئے نہیں آتا تو اسے اسلامی قانون کے مطابق سزا دیجاتی ہے۔ اور اگر غیر حاضری کا سبب کوئی بیماری ہے تو فوراً اس کی امداد کے لئے انتظام کیا جاتا ہے۔ اس طرح جب تک معذور مسجد میں حاضری کے قابل نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس پر پوری توجہ رکھی جاتی ہے۔

نماز کی طرح رمضان کے روزے بھی اسلامی معاشرے کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ روزہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مالدیپ کے جزیروں میں کوئی شخص کسی عذر کے بغیر روزہ ترک نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص اپنی غفلت سے روزہ چھوڑ دے تو اسے سزا دیجاتی ہے۔ ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں نے اپنے دوران قیام میں کسی کو نماز اور روزے کے سلسلے میں سزا پاتے نہیں دیکھا جبکہ میں وہاں تین برس رہا۔ اس کے معنی

یہ ہیں کہ لوگ دل سے وہاں نماز باجماعت کا اہتمام کرتے اور روزے رکھتے ہیں۔

ان جزیروں میں علماء کی بڑی قدر اور عزت کی جاتی ہے سرکاری محکموں میں علماء عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کا لباس مخصوص ہے۔ حکومت کا سارا کاروبار پورے طور پر اسلامی نظام کے تحت ہوتا ہے۔ یہاں کہیں آپس کے لڑائی جھگڑے سننے میں نہیں آتے۔

مالدیپ کی صفائی، وہاں کے مناظر اور عبادات کے بعد ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں وہاں کے ہر محکمے سے متعلق اپنے دیدہ وشنیدہ حالات لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم انھیں چھوڑ کر صرف عدلیہ کے کچھ واقعات نقل کرتے ہیں جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ عبرتناک بھی ہیں۔

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جب میں "مالی" بندرگاہ پر اترا تو ایک شخص نے آگے بڑھ کر پوچھا "یا اخی انت من التجّار" (اے میرے بھائی کیا تم تاجروں میں سے ہو؟) میں نے کہا "نہیں" میرے انکار پر اس نے دوسرا سوال یہ کیا کہ "کیا سرکاری مہمان ہو؟" میں نے پھر انکاری جواب دیا تو وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ "پھر تم کو ہم کیا سمجھیں اور کس رشتے سے تمھاری خاطر ومدارات کا حق ادا کریں؟" میں نے بتایا کہ میں ایک سیّاح ہوں اور سیاحت کرتا ہوا تمھارے ملک میں آیا ہوں۔

"مرحبًا اھلًا وسھلًا" اس کی زبان سے نکلا اس نے کہا "تم ہمارے مہمان ہی ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم سرکاری مہمان بننا پسند کروگے یا کسی خاص شخص کے مہمان بنوگے؟" اس سوال پر میں نے چند لمحے سوچا اور پھر اس

سے کہا " میں مسجد میں ٹھہرنا پسند کرتا ہوں۔"

" انت بطل!" اس شخص نے مسکرا کر کہا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی۔ اس میں میرا نام، پتہ اور حلیہ لکھا اور پھر مجھے ساتھ لے کر چلا۔ سامنے ایک نہایت سنجیدہ بزرگ کھڑے تھے۔ ان سے میرے متعلق سفارشی گفتگو کی اور ان کے ساتھ کر دیا۔ ان بزرگ نے مجھے ایک مسجد میں لیجا کر امام صاحب کے حوالے کر دیا۔ امام صاحب نے اسلامی روایات کو سامنے رکھ کر میری تواضع کی۔ عشاء کی نماز کے بعد میں نفل پڑھ رہا تھا کہ اچانک کچھ سپاہی جو سادہ لباسوں میں تھے، مسجد میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے پکار کر کہا " کوئی خطرہ نہیں ہے اور پھر وہ ایک ایک نمازی کا چہرہ دیکھنے لگے۔ ایک سپاہی میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے دیکھا، پکارا " قاضی کا مطلوبہ مہمان مل گیا۔"

یہ سن کر سپاہی میرے آس پاس جمع ہو گئے۔ ایک نے نہایت ادب سے کہا " قاضی صاحب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ کل پرسوں دو یوم آپ ہمارے ساتھ گزاریں تو آپ کا احسان ہو گا۔" میں نے یہ دعوت منظور کر لی اور امام صاحب کے سامنے سپاہیوں کو لے جا کر کہلوا دیا۔ دوسرے دن جب میں قاضی کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ آپ کی دعوت اس لئے اور بھی میں نے قبول کر لی کہ مجھے یہ دیکھنے میں آسانی ہو گی کہ یہاں کے فیصلے کیسے اور کس طرح کئے جاتے ہیں؟ کیا میں امید کر دوں کہ آپ مجھے عدالت میں ساتھ لے چلیں گے؟"

" ضرور ضرور۔" قاضی نے کہا اور پھر جب وہ کچہری روانہ ہوا تو میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جس وقت میں عدالت میں پہنچا تو وہاں بڑا مجمع دیکھا۔

قاضی تو اپنی کرسی پر جا بیٹھا اور میں پیشکار کے پاس والی کرسی پر۔ اس نے اکرام مسلم کے طور پر مجھے تعظیم دی۔ میں نے اس سے پوچھا "آج اتنا مجمع کیوں ہے، یا ایسا ہی مجمع ہر روز ہوتا ہے؟" پیشکار نے بتایا کہ آج ہمارے سلطان کے خلاف عبداللہ ابن جابر نامی ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے۔ شاید پبلک میں اسی لئے دلچسپی ہے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بے لاگ فیصلہ کس طرح ہوگا؟

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ سُن کر مجھے بھی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ جس وقت مدّعی اور مدّعا علیہ کی پکار ہوئی تو میں نے دیکھا ایک شخص ایک برقع پوش عورت کے ساتھ آیا اور عدالت کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ یہ آنے والا نہایت وجیہہ اور شکیل اور بارعب آدمی تھا۔ پیشکار نے میرے کہنی ماری۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہی ہمارا سلطان ہے۔ سلطان بھی اس مرد اور عورت کے برابر آکر کھڑا ہوگیا اور اس نے بھی کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" مدعی اور مدعا علیہ کے سلام کرنے پر ہلکی سی آواز "وعلیکم السلام" کی گونجی اور پھر مقدمہ شروع ہوگیا۔ قاضی نے عبداللہ بن جابر کی طرف دیکھا اور اس نے اس طرح کا بیان دیا:۔

"سلطان نے اپنے محل میں جو توسیع کی ہے، اس میں سائل کی ذاتی زمین کو شامل کرلیا ہے اور یہ زمین میری بیوی کی ہے۔ زمین میری بیوی سے اس کی غیر موجودگی میں یہ کہہ کر خریدی گئی ہے کہ زمین کا خریدار کون ہے؟ اس کی حیثیت کیا ہے اور اس زمین کو کس غرض سے خریدا جا رہا ہے۔ چنانچہ میری بیوی کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت ہی کم قیمت ادا

کی گئی ہے جو بالکل نامناسب ہے اگر اس کی بیوی کو خریدار کی حیثیت سے اس بات کا علم ہوتا کہ خریدار کون ہے اور کس غرض کے لئے زمین خریدی جارہی ہے تو یقیناً قیمت بڑھ سکتی تھی۔ میری بیوی یعنی مالکہ زمین میرے برابر کھڑی ہے۔"

عبداللہ بن جابر کا بیان ختم ہوا تو قاضی نے برقع پوش عورت سے پوچھا "خاتون! کیا آپ حلف اٹھا کر کہتی ہیں کہ جس وقت یہ زمین خریدی یا بیچی جارہی تھی تو آپ خریدار کی حیثیت اور خرید کرنے کی غرض سے بے خبر تھیں؟"

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ مجھے اس بات کا مطلق علم نہیں تھا کہ یہ زمین سلطان کے لئے خریدی جارہی ہے۔"

یہ جواب پاکر قاضی نے سلطان کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے ایک نظر کاغذات پر ڈالی پھر بولا :۔

"کیا ملزم حلفیہ بیان دے سکتا ہے کہ جس وقت یہ زمین خریدی گئی تھی تو ملزم نے زمین کے خریدار کی حیثیت سے آگاہ کر دیا تھا؟"

اب جواب دینے کی باری سلطان کی تھی۔ سلطان نے کہا "میں معزز عدالت کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتا ہوں اور لکھ کر بھی دے چکا ہوں کہ میں نے یہ زمین اپنے مختار کے ذریعہ خریدی۔ مختار کا انتقال ہوچکا۔ مکان بھی بن چکا۔ اب مجھ پر یہ ذمہ داری کیسے آسکتی ہے؟"

"ملزم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر غلط طریقے سے قبضہ ہوا ہے تو مکان کھدا کر گرایا بھی جاسکتا ہے۔ عدالت تو یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ مدّعی کو خریدار کی حیثیت اور خریداری کی غرض بتائی گئی یا نہیں؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" سلطان نے جواب دیا۔

"تو پھر عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ یا تو آپ زمین کے مالک کو زمین

واپس کر دیں یا پھر دوبارہ اس سے خریدیں۔" یہ فیصلہ کر کے قاضی نے اس کی سند اس طرح پڑھنا شروع کی :۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تجارتی کارواں باہر سے آئے تو تم میں سے کوئی بھی آگے بڑھ کر سودا نہ کرے، جبتک کہ وہ مال منڈی میں نہ پہنچ جائے اور سوداگر کو منڈی کے بھاؤ اور خریداروں کی حیثیت کا پتہ نہ چل جائے اور اگر تم میں سے کوئی ایسا سودا کرے تو وہ سودا باطل ہوگا۔"

سلطان نے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔ فیصلہ سنانے کے بعد قاضی نے اُٹھ کر سلطان کو تعظیم دی اور عرض کیا کہ اگر حضور دیگر مقدمات کی کارروائی ملاحظہ فرمانا چاہیں تو اپنے پاس کرسی ڈلوا دوں۔ آپ تشریف رکھیں لیکن آپ کو دوران مقدمہ کارروائی میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔"

سلطان نے جانے کی اجازت چاہی اور چلا گیا۔ قاضی بیٹھا مقدمات کرتا رہا اور میں دیکھتا رہا۔ میں آخر وقت تک خاموش رہا۔ اس سے قاضی بہت خوش ہوا۔ پھر جب ظہر کے وقت اٹھا تو پیشکار نے ایک پرچہ اسے دیا۔ پرچہ پڑھ کر قاضی نے مجھے دے دیا۔ میں نے پڑھا۔ لکھا تھا "شاید یہ شخص جو پیشکار کے برابر بیٹھا ہے مہمان خصوصی ہے۔ اگر یہ مہمان ہے تو ہم امید کرتے ہیں کہ عشائیہ آپ اور آپ کے مہمانِ خصوصی میرے ساتھ نوش فرمائیں اور اگر یہ مہمان نہیں تو قاضی سے جواب طلب کیا جاتا ہے کہ اسے خصوصی جگہ کیوں دی گئی؟"

بات صاف تھی۔ قاضی نے اظہار حقیقت کے طور پر چند جملے لکھ دیئے اور سلطان کی دعوت قبول کر لی۔

اس طرح کے کچھ مقدمات کے فیصلے ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے

سفرنامے میں تحریر کیے ہیں۔ سلطان کے یہاں دعوت کی سادگی پر بڑے اچھے الفاظ میں چار پانچ صفحات خرچ کیے ہیں۔ وہ مالدیپ کی سیر کو اپنی خوش نصیبی کہتا ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ :-

یہ ہے ایک ہلکا سا نقشہ اس چھوٹے سے خطۂ زمین کا جس نے اللہ کے قانون کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا ہے۔ وہاں کیسا امن و سکون میں نے پایا! وہاں اللہ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ مملکت اپنی بہت سی خصوصیات کے اعتبار سے دنیا کے تمام ملکوں کو دعوت دے رہی ہے کہ اللہ کے بندو! دنیا میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت "اسلام" اور "اسلامی قانون" موجود ہے، اس کی خیر و برکت کا تجربہ کیوں نہیں کرتے۔ نسخۂ شفا موجود ہے اور پھر بھی تم طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

شوفاران کا میدانِ جنگ

یورپ والوں کو ناز ہے کہ ریڈ کراس سوسائٹی کی بنیاد انھوں نے ڈالی لیکن جب ہم نے اس سفر نامے کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ وہ "ہمارا ابن بطوطہ" تھا جو اچانک ایک ایسے میدان میں پہنچ گیا جہاں ہزاروں زخمی انسانوں کو دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھا اور پھر وہ یہی "ہمارا ابن بطوطہ" ہی تھا جس نے اس میدان کے گردوپیش کے گاؤں سے کمک بہم پہنچائی۔ اس کمک میں اس کو جس قدر بندگان خدا مل سکے ان کی رہنمائی کر کے وہ کارنامہ انجام دیا جو یادگار رہ گیا۔ پھر جب "ہمارا ابن بطوطہ" اس مہم سے فارغ ہوا تو اس نے اپنی ایک ایسی تصنیف چھوڑی جس سے ریڈ کراس سوسائٹی کی داغ بیل پڑی۔ یہ صحیح ہے کہ اس کام کے لیے اس نے جو جماعت بنائی تھی اس کا نام اس نے "ریڈ کراس سوسائٹی" نہیں رکھا تھا لیکن کام یہی تھا۔

یورپ اس معاملے میں بڑا چالاک ہے کہ وہ غیروں کی بنیاد پر عمارت بناتا ہے اور اس پر اپنا بورڈ لگا دیتا ہے۔ خیر اس سلسلے میں "ہمارا ابن بطوطہ" اصل واقعہ اس طرح لکھتا ہے کہ:-

○

"میں جزیرہ صقلیہ (سسلی) ہوتا ہوا اٹلی گیا۔ وہاں سے شمال کی کی طرف الپس کے دروں سے ہوتا ہوا ایک وسیع میدان میں پہنچ گیا۔ یہ

شوفاران کا علاقہ کہلاتا ہے ۔ میں اس میدان سے گزر رہا تھا ، اچانک میں نے ایک طرف چیل کوؤں ، اور گدھوں کو منڈلاتے دیکھا ۔ یہ سب تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ میں نے صاف اندازہ لگالیا کہ ان کے اترنے کی جگہ پر ان کے کھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوراک موجود ہے ۔ "کیا ہو سکتا ہے ان کے لئے ؟" میں اس سوال کا جواب دل ہی دل میں سوچنے لگا، "کوئی بڑا سا مردہ جانور!" لیکن چیل کوّے اور گدھ تو ہزاروں کی تعداد میں ہیں ۔ ایک دو یا دس پانچ بڑے سے بڑے مردہ جانوروں کے لئے سو پچاس ہونا چاہییں ۔ آخر یہ اتنے کیوں گر رہے ہیں ؟ سوال کے جواب میں کھوج پیدا ہوئی اور پھر میرے قدم آپ سے آپ اسی طرف اٹھ گئے

تھوڑی ہی دیر کے بعد میں ایک لمبے چوڑے میدان میں تھا ۔ اس میدان میں میری نظروں نے جو بھیانک اور دردناک منظر دیکھا ، اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس موزوں الفاظ نہیں ہیں ۔ پورا میدان ہزاروں انسانوں کی لاشوں اور کراہتے ، تڑپتے اور چیختے ہوئے زخمی سپاہیوں سے بھرا پڑا تھا ۔ انھیں دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ دو چار دن پہلے اس میدان میں کوئی زبردست اور فیصلہ کن لڑائی لڑی جا چکی ہے ۔ اُف ! دونوں فوجوں نے اتنی لاشیں اور اتنے زخمی سپاہی چھوڑے اور پھر کسی نے ان کی پروا نہ کی اور انھیں کتّوں ، چیلوں ، کوؤں اور گدھوں کی خوراک بننے کے لئے چھوڑ دیا ۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ۔ مجھے چکر سا آنے لگا ۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا ۔ اگر میں نہ بیٹھ جاتا تو یقیناً گر جاتا ۔ کچھ دیر کے بعد جب میری آنکھوں کے سامنے کا اندھیرا چھنٹ گیا تو میں نے کھڑے ہو کر ان بدنصیبوں

پر پھر ایک نظر ڈالی جنھوں نے کسی ایک انسان کی خدائی برپا کرنے اور کسی ایک انسان کی خدائی بچانے کی خاطر اپنے کو قربان کر دیا تھا اور پھر ہار جانے والے کی بات ہی کیا، جیتنے والے نے بھی ان بے چاروں کو نہ پوچھا اور انھیں سسکتا اور تڑپتا چھوڑ کر چلا گیا۔ آخر اس کے فوجی بھی تو ان کٹ مرنے والوں اور زخمیوں میں شامل ہیں۔

جو سپاہی کٹ مرے تھے ان کا ذکر ہی کیا۔ جو بے انتہا زخمی ہوتے ہوئے بھی زندہ تھے، ان کی حالت بڑی دردناک اور الم انگیز تھی۔ چاروں طرف ہاتھ، پیر اور سر کٹے پڑے تھے۔ مرے ہوئے سپاہیوں کی لاشیں پھول گئی تھیں۔ بہت سی سڑ چکی تھیں اور ان سے نہایت ناگوار بدبو آ رہی تھی۔ جو زخمی تھے، وہ خاک اور خون میں لتھڑے پڑے تڑپ رہے تھے، زخموں کی تکلیف کے مارے چیخ اور چلا رہے تھے لیکن ان کے زخموں پر مرہم پٹی کرنے والا تو درکنار کوئی ان کے خشک منہ میں ایک قطرہ پانی ٹپکانے والا بھی نہ تھا۔ شوفاران کے اس میدان میں، جہاں چلتے پھرتے اور ہنستے بولتے انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا گیا تھا، اسی میدان میں جنگلی درندے کتّے، سیار، اور گدھ وغیرہ انہی انسانوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ زندہ مردہ سب ہی ان درندوں کی زد میں تھے۔ بہت سے مر چکے تھے، بہت سے دم توڑ رہے تھے، بہت سے تڑپ اور کراہ رہے تھے، چیخ رہے تھے چلا رہے تھے، گڑگڑا رہے تھے۔ یہ سب مدد کے محتاج تھے مگر کسی کے کانوں تک ان کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ان میں بہت سی ایسی قیمتی جانیں تھیں جن پر ان کے ملک والے فخر کرتے تھے اور جو ذرا سی توجہ اور دیکھ بھال سے جانبر ہو سکتی تھیں، مگر موت کے پنجے میں جکڑی ہوئی دم توڑ رہی تھیں۔

آسمان ان کے حال پر آنسو بہا رہا تھا لیکن زمین پر کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اس کے لئے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی ہوتا۔

میدان جنگ کا یہ بھیانک اور دردناک نقشہ دیکھ کر میں تڑپ گیا۔ سوچنے لگا کہ ان زخمیوں کی جان کس طرح بچائی جا سکتی ہے؟ میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ میں ایک سمت بھاگا۔ میں نے سوچا تھا کہ میدان کے آس پاس جو گاؤں بھی ملے گا، اس کے رہنے والوں کو مدد کے لئے پکار دوں گا۔ شاید اللہ اپنے بندوں میں سے کسی کو ان غریبوں کی مدد کرنے کے لئے آمادہ فرما دے۔ اس امید پر میں بھاگم بھاگ ایک طرف جا رہا تھا۔ کئی گھنٹوں کی دوڑ بھاگ کے بعد میں ایک گاؤں میں پہنچا۔ گاؤں میں پہنچتے ہی میں چیخنے اور چلانے لگا " دوڑو! دوڑو! مدد کے لئے دوڑو! اگر تم زمین والوں پر رحم کرو گے تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

میری پکار سن کر ایک ایک، دو دو، چار چار اور پھر بھیڑ کی بھیڑ لوگ آ کر میرے آس پاس جمع ہو گئے۔ جو آتا، میری بدحواسی دیکھ کر پوچھتا۔ "بھائی! تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، تم کو کس نے ستایا ہے؟"

لوگوں کے جمع ہو جانے کے بعد میں نے میدان جنگ کے مُردوں اور زندوں کا حال زار رو رو کر کہہ سنایا۔ حال سُن کر لوگوں کے دل بھر آئے انھوں نے بتایا پچھلے ہفتے اس میدان میں گھمسان کا رن پڑ چکا ہے۔ ان دنوں ہم سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے بھاگ گئے تھے۔ ہم لوگ جنگ ختم ہونے کے بعد واپس آئے۔ اب تم بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

یہ سُن کر میری ہمت بڑھی۔ میں نے میدان جنگ کے بےکس اور بےبس زخمیوں کی مدد کے لئے اکسایا تو دیکھتے دیکھتے بہت سے مرد

عورتیں، لڑکیاں اور لڑکے مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر گھنٹہ بھر کے اندر ہی جب وہ میرے ساتھ چلے تو سب کے سب کھانے پینے اور دواؤں کے مختلف سامانوں سے لدے ہوئے تھے اور ایک نہ تھکنے والے عزم کے ساتھ جا رہے تھے۔

میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی میں نے کام تقسیم کیا۔ کچھ لوگ ٹھہرنے کے لئے جگہ درست کرنے لگے۔ کچھ جلدی جلدی زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ کچھ زخمیوں کو اُٹھا اٹھا کر لانے لگے۔ کچھ لوگ کھانا کھلانے اور پانی پلانے میں لگ گئے۔ غرضیکہ مل جل کر اور بے غرضی سے کام لیا گیا تو دو باتوں کا تجربہ ہوا۔ ایک یہ کہ کوئی شخص تھکنے کا نام نہیں لے رہا تھا اور زیادہ سے زیادہ کام کرنے کا حوصلہ کر رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے ہماری مدد کے لئے غیب سے ایسا سامان فرما دیا جسے ہم میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہوا یہ کہ یہ خبر آس پاس کے گاؤں میں آپ سے آپ پھیل گئی۔ خبر ہوتے ہی بے غرض کام کرنے والے رضاکار سامان لے لے کر آنے لگے اور ہمارا ہاتھ بٹانے لگے۔ جو لوگ نہیں آ سکتے تھے لیکن دلوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے انھوں نے رقمیں بھیجیں۔ اس کمک کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کام ہمارے اندازے کے مطابق کئی مہینوں کا تھا، ایک مہینے میں ختم ہو گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ جس کی موت تھی اسے ہم نہ بچا سکے لیکن جن کی زندگی تھی، وہ سب اللہ کے فضل سے صحت یاب ہو گئے۔ ان زندہ بچنے والوں کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔ ان چار ہزار میں ہاری ہوئی فوج کے لوگ بھی تھے اور جیتنے والی فوج کے بھی۔ مگر عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ صحت یاب ہونے پر وہی لوگ

جنھوں نے ایک دوسرے کو زخمی کیا تھا، اب وہ انھیں محبّت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ ہر اچھا ہونے والا سپاہی دوسرے مجبور کی خدمت میں لگ جاتا تھا۔ اب ان میں سے کسی کے دل میں یہ جوڑ نہ تھا کہ کون کس فوج کی طرف سے لڑنے آیا ہے۔ اچھا ہو جانے کے بعد جو سپاہی گھر جانا چاہتا تھا اس کے سفر کا انتظام کرکے زادِ راہ کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا تھا لیکن زیادہ تر ایسے تھے جو تندرست ہونے کے بعد تیمارداری کے فرائض انجام دینے کی درخواست کرتے اور رُک جاتے تھے۔

یہ کام ختم ہونے کے بعد میں نے سپاہیوں کو رخصت کیا۔ رخصت ہوتے وقت بہت سے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ جب آپ سیر و سیاحت کے لئے نکلے ہیں تو ہمارے شہر چلیے۔ میں نے ہنوز کسی کو کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ میرے سامنے ایک ادھیڑ عمر کا شخص آیا۔ اس نے مجھ سے کہا "آپ نے انسانی ہمدردی کا وہ نادر نمونہ پیش فرمایا ہے کہ رہتی دنیا تک بھلایا نہ جا سکے گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ کام ابھی ادھورا ہوا ہے اس کی تکمیل ہو جانا چاہیئے۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے بتایا" اس طرح کہ اس میدانِ جنگ میں پہنچ کر آپ نے جو کچھ دیکھا، سنا اور کیا ہے اس پر ایک مبسوط مضمون لکھ دیں۔ ہم اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں گے۔ اس مضمون کی اشاعت سے غرض یہ ہوگی کہ انسانی ہمدردی کے لئے ایک ایسی جماعت تشکیل ہو جو ان لوگوں کی مدد پر دوڑ پڑے جن کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہو۔ مضمون کی اشاعت کے بعد میرا خیال ہے کہ ایک ایسی رضاکارانہ جماعت بن جائے گی جس کا مقصد ایسے ہی حادثوں کے شکار، بیکسوں، اور مجبوروں کی مدد کرنا ہوگا۔ اس مضمون کی ترتیب کے لئے آپ میرے ساتھ تشریف

لے چلیں۔ میرے گھر کے عقب میں جو باغیچہ ہے وہ آپ کے قیام کے لئے بہت موزوں ہوگا اور لکھنے پڑھنے کے لئے بھی مناسب رہے گا۔

اس شخص کی بات میرے دل میں اتر گئی۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ میں نے اس کے یہاں ٹھہر کر مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ میں نے سوچا تھا کہ مجبوروں اور لاچاروں کا دردناک منظر لفظوں کے ذریعہ دکھا کر یہ اپیل کروں گا کہ ان کی مدد کے لئے ایک منظم جماعت تشکیل پانا چاہئے۔ ایسی منظم جماعت جو بے لوث کام کر سکے لیکن جب مضمون لکھنا شروع کیا تو وہ طویل ہوتا چلا گیا۔ نئے نئے ذیلی عنوانات نے جنم لینا شروع کر دیا۔ لڑائی کے اسباب، اقتدار کی ہوس، انسان پر انسان کی حکومت کا ارادہ، جنگ کے اثرات، اسلحہ سازی کی دوڑ، اقتصادی بدحالی، گرانی، چور بازاری، اخلاقی زوال، جنگوں کی روک تھام کی تدابیر، خوفِ خدا، خدا کے سامنے باز پرس کی یاددہانی، اقتدار کا مالک صرف خدا ہے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے عنوانات آتے چلے گئے اور مضمون بڑھتے بڑھتے کتاب کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ کام میں نے چار مہینے کی دن رات مشقت سے انجام دیا۔ جس وقت میں نے اپنے میزبان کے سامنے یہ کتاب پیش کی اور اس نے مجھ سے پڑھوا کر سنی تو وہ خوشی کے مارے جھوم اٹھا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ کبھی وہ میرا ہاتھ چومتا، کبھی میری پیشانی کو بوسہ دیتا۔ اس کے بعد اس نے تین منشی اس کتاب کو نقل کرنے کے لئے بٹھا دیئے۔ پھر جب اس کے نسخے نقل ہو ہو کر خاص و عام تک پہنچے تو ان کی مانگ کا یہ عالم تھا کہ نقل نویسوں کا ایک اچھا خاصا گروہ اس کام کے لئے بیٹھ گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کتاب کی شہرت ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔

درد مند دل رکھنے والوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، پڑھا۔ اس کے بعد مجھ سے آ آ کر ملے، زبانی گفتگو ہوئی، تبادلہ خیالات ہوا پھر واقعی ایک ایسی جماعت وجود میں آگئی جس کا خواب میرے میزبان نے دیکھا تھا۔ مجبوروں اور لاچاروں کی مدد کے لئے ایک دستور العمل ترتیب دیا گیا۔ کارکنوں کی فہرست تیار ہوئی اور کام شروع کر دیا گیا۔ رہنمائی کا کام میرے ہی سپرد کیا گیا۔ تین سال میں نے اس جماعت سے مل کر کام کیا۔ اس کے بعد جب میں نے دیکھا کہ کام چل پڑا تو وہاں سے رخصت ہو کر دوسرے ممالک کی سیاحت کے لئے چل دیا۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ مغربی اقوام میں منظم ہو کر کام کرنے کا جذبہ ابھر رہا ہے اور وہ ہر بات کو تحریک کے طور پر چلانے کے لئے اپنے کو تیار کر رہے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح کام کرتے رہے تو میرا خیال ہے کہ وہ مستقبل قریب میں ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔

ہڈیوں کی لائبریری

ہمارے ابن بطوطہ نے "ہڈیوں کی لائبریری" کے عنوان سے اپنے سفر نامے میں ایک عجیب و غریب مضمون ترتیب دیا ہے۔ تمہید میں لکھا ہے کہ میں نے کوہِ قاف کے درّہ "ہو" میں بنی ہوئی ایک خانقاہ کے اندر ہڈیوں کی لائبریری سجی ہوئی دیکھی ہے۔ اس لائبریری میں عیسائیوں کے مانے ہوئے ولیوں، ہندوؤں کے معزز یوگیوں، بدھ مت کے مخلص بھکشوؤں، مجوسیوں کے شر بیزار عابدوں نیز دوسرے دھرموں کے مشہور رہنماؤں کے جسموں کی ہڈیاں قرینے سے ترتیب وار رکھی ہیں۔ کہیں ان کی کھوپڑیاں لائبریری کی زینت بنی ہوئی ہیں تو کہیں ان کے ہاتھوں اور پیروں کی ہڈیاں لائبریری کی رونق کو دوبالا کر رہی ہیں۔ شیشے کی ایک الماری میں ایک عیسائی ولی کا پورا ڈھانچہ موجود ہے اور اسی کے پاس الہند کے ایک ہندو راجہ دادھیش کے استخواں محفوظ ہیں۔

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ گو یہ تمام ہڈیاں تمام صفائی، ستھرائی اور سلیقے سے سجی ہیں لیکن پہلے پہل جب ان پر نظر پڑتی ہے تو دیکھنے والے پر ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اسے بھوتوں کی کوٹھری محسوس کرتا ہے۔ یہ تمام کھوپڑیاں، ہڈیاں، مکمل اور نامکمل ڈھانچے مختلف مذاہب کے ان ولیوں اور رہنماؤں کے ہیں جو اپنے زمانے میں اپنے طرز کی مخصوص

عبادات اور ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان میں سے کوئی تو ایسا تھا
جس نے تیس سال کا مون برت (خاموشی کا روزہ) رکھا تھا۔ اسے بولتے کسی
نے نہیں دیکھا۔ کوئی ایسا تھا جو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا اور گھانس پھونس
کھاکر گزارہ کرتا رہا۔ کوئی کسی جگہ ایک انداز میں (یوگ کی کسی مشق کے تحت)
بیٹھ گیا اور پھر "قطب از جا نمی جنبد" ہو گیا۔ عمر بھر اس جگہ سے اٹھا ہی نہیں۔
ان میں سے خدا کے کسی ولی نے اپنے کو عمر بھر ایک چٹان سے باندھے رکھا تو کسی
نے زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔ کسی نے جانوروں کے بھٹوں کو اپنا مسکن بنایا
تھا تو کسی نے اندھے کنووں کو۔ یہ محنت کش ولی ان جگہوں پہ خدا کی عبادت
میں ہمہ تن محو رہتے۔ ان کے زمانے کے لوگوں نے ان ولیوں، جوگیوں،
سنیاسیوں، بودھ بھکشوؤں اور شر بیزار عابدوں کو ولایت اور عبادت کا
انتہائی اونچا مقام دے رکھا تھا۔ انہی عقیدت مندوں کو ان ولیوں کے جسم
کا جو حصہ کہیں مل گیا، چوم کر اٹھا لیا اور یادگار کے طور پر رکھ چھوڑا۔

ہمارا ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ قدیم ایران کے ایک زبردست فاتح
شہنشاہ فورس یا پورس کو ان ولیوں کی ہڈیاں، جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ
اس نے اپنی فتوحات کے دوران ہر ملک سے یہ اشیا بھی فراہم کیں پھر
جب واپس ہوا تو اپنے آخری دور میں یہ خانقاہ بنوائی اور اس میں وہ کچھ جمع
کر دیا جو میں نے دیکھا۔ کوہِ قاف کے درۂ "ہو" کی ہڈیوں کی لائبریری میں
جس سنیاسی یا ولی کے جسم کا جو حصہ جہاں رکھا ہے اس کے نیچے اس ولی کا تعارف
اور اس کی ریاضت کا طریقہ بھی کندہ ہے۔ میں نے اسی تعارف اور طریق ریاضت
سے استفادہ کر کے اس لئے یہ مضمون ترتیب دیا ہے تاکہ اللہ کے بندے
عبرت حاصل کریں۔

اس کے بعد ہمارا ابن بطوطہ اپنا مضمون شروع کرتا ہے وہ لکھتا ہے :-

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایک ہی دین پسند کیا تھا اور اسی کی حفاظت کے لئے وہ اپنے رسول بھیجتا رہا۔ سب سے آخر میں اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس دین کو مکمل فرما دیا۔

شروع شروع میں انسان انہی سادہ خطوط پہ اللہ کی عبادت کرتا تھا جو انبیاء علیہم السلام نے بتائے تھے ۔ وہ اس طرح کے پُر محن عبادات اور ریاضت سے واقف نہ تھا لیکن جہاں جہاں غلو کا غلبہ ہوا اسطرح کی عبادتیں جنم لینے لگیں ۔

دنیا کا یہ بھی ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز رنگ دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی زمانے میں ایک طرز کی باتیں سارے جہان میں پائی جاتی رہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت مصر کے معبدوں میں فقیروں اور درویشوں نے ترک دنیا کی طرف رُخ کیا عین اسی وقت ایران، ہندوستان اور دوسرے ممالک میں بھی لوگ دنیا سے بیزار اور متنفر نظر آنے لگے ۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب یورپ کے عیسائیوں میں ترک لذت کی وبا پھیلی ٹھیک اسی زمانے میں ہندوستان کے یوگیوں، سنیاسیوں اور بودھ بھکشوؤں کو جنگلوں میں عبادت کرتے دیکھا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک غیر محسوس رَو چلتی ہے جو مشرق سے مغرب تک ساری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ۔ کچھ نہیں پتہ چلتا کہ کس ایک اور مذہب کے درویشوں نے کس سے استفادہ کرکے عبادت کے یہ ڈھنگ اختیار کئے ۔ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے اس نے ان کو ترک، تیاگ، تجرد اور برہمچریہ کو اخلاق کے

بلند کرنے کا سب سے اونچا نمونہ سمجھا یا۔ کہیں تو یہ ذہن میں ڈالا کہ جوانی میں خوب "اللہ اللہ" کرلیا اب چھوڑ دیہ دنیا اور خدا سے لو لگاؤ اور ہٹاؤ یہ بکھیڑا۔ اس طرح "القا" کرکے بن باس کی طرف مائل کیا اور فریب خوردہ بندوں میں عبادت کرنے جا بیٹھے۔ کہیں یہ سمجھایا کہ بات تو جب ہے کہ ابتدائے عمر ہی سے برہمچاری رہا جائے۔ عمر بھر شادی ہی نہ کی جائے اور نہ دنیا کے کاروبار ہی سے کسی قسم کا فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ ایسے لوگ بھی گزرے جو ہمیشہ کنوارے رہے۔ یورپ میں تو راہبوں کا ایک مسلسل گروہ پایا جاتا رہا جس نے کنوارے رہنے میں کمال حاصل کیا۔ کلیسا میں ——————

مذہبی خدمت انجام دینے کے لئے جو لوگ رکھے جاتے تھے ان کے لئے یہ بات بہت ناپسند کی جاتی تھی کہ وہ شادی کریں، بال بچوں کے جھمیلوں اور گرہستی کے بکھیڑوں میں پڑیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے تین اسباب تھے۔

اول یہ کہ دنیا میں جہاں جہاں شرک نے اپنے پنجے جمائے، جہاں جہاں انسان توحید کے تقاضوں کو بھولا اور اس نے آخرت کے حساب کتاب کو فراموش کیا، وہاں پہلے دنیا طلبی آئی پھر بدکرداری اور شہوانیت کا زور ہوا۔ اس کا توڑ کرنے کے لئے ہندوستان کے جوگیوں اور سنیاسیوں نے، عیسائیوں کے راہبوں نے، مجوسیوں کے شر بیزار عابدوں نے اور بودھ بھکشوؤں نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کے بجائے انتہاپسندی کی راہ اختیار کی۔ انھوں نے عصمت اور پاکدامنی پر اتنا زور دیا کہ عورت اور مرد کا جائز تعلق بھی ان کو ناپاک، گھناؤنا اور دین کے خلاف معلوم ہونے لگا۔ انھوں نے اسمیں ایسی شدت اختیار کی کہ ایک دیندار آدمی کے لئے جائداد اور مال شجرِ ممنوعہ قرار دے دیا اور دیندار سے کہا وہ مال و دولت اور دنیا کے

۔دبار سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اسی طرح مشرک قوموں کی لذت پرستی
ے خلاف نفس کو مارنا اور خواہشات کو دبانا دین کا سب سے بڑا ستون
مجھ لیا گیا۔ اس کام کے لئے جسم کو طرح طرح کی اذیت دینا آدمی کی روحانیت
کمال سمجھا جانے لگا۔

ان عبادتوں اور ریاضتوں کی مقبولیت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ان
۔ درویشوں کی عبادات اور ریاضتوں کو دیکھ کر عوام ان کو خدا کا مقبول بارگاہ
مجھ بیٹھے اور ان سے یہ امید وابستہ کی کہ ان کے ذریعہ مرادیں پوری ہو سکتی
ں۔ یہ نادان عوام ان کی طرف بڑھے۔ شروع شروع میں ان درویشوں
ے ان سے بچنے کی کوشش کی لیکن ارادت مندوں سے بچ نہ سکے۔ بنوں اور
جنگلوں میں ان کے پاس تھا ہی کیا جو دیتے، تعویذ اور گنڈے دینے
لگے۔ فال گیری کا دھندہ شروع کرکے غیب کی باتیں بھی بتانے لگے۔ جنوں
ر بھوتوں کو پھونکوں سے بھگانے لگے۔ عوام ان کو پہنچا ہوا بزرگ
مجھتے تھے۔ ان پہنچے ہوئے بزرگوں نے انھیں اللہ کے دین سے اتنا
در پہنچا دیا کہ پھر ان کے لئے پلٹنا "جوئے شیر" لانا ہو گیا۔

ایسی عبادتوں کے فروغ پانے کا تیسرا سبب یہ تھا کہ ان کے پاس
ین کی سرحدیں متعین کرنے کے لئے کوئی ایسی صاف اور سادہ شریعت
ر کھلی ہوئی سنت نہ تھی جس سے وہ ہدایت حاصل کرتے اور سمجھ سکتے کہ
ں میں ہمارے لئے کہاں تک پابندی اور گنجائش ہے۔ اللہ کی کتابوں
نوریت اور انجیل وغیرہ) میں کافی ترمیم و تنسیخ ہو چکی تھی۔ مجوسیوں کے
س زند (انہی کے قول کے مطابق) الہامی کتاب تھی۔ اس کا ترجمہ کرکے
ب "پاژند" کے نام سے سامنے لایا گیا تو وہ ایک ایسا گورکھ دھندہ تھا

کہ لوگ سمجھ ہی نہ سکے۔ یہی حال ہندوستان کے لوگوں کا تھا۔ یہاں کے لوگ ویدوں کا نام تو لیتے ہیں لیکن انھیں معلوم نہیں کہ ویدوں میں اصل "الہام کیا ہے اور "غیر الہام" کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ نے ہندوستان میں بھی اپنے نبی بھیجے "علی کل قوم ہاد" لیکن افسوس کہ یہاں کے تہی دامنوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے انبیاء کا نام اور ان کا اصل مقام کیا تھا۔ ان عزیزوں نے لے دے کے "دنت کتھاؤں" پر بھروسہ کیا۔ میں نے اپنے زمانہ سیاحت میں الہند کے ایک عالم شخص سے پوچھا "کیا تم اپنے دین (دھرم) کی تعریف بتا سکتے ہو؟ تو وہ کچھ بتا نہ سکا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اور سنت کے نہ ہونے سے ان میں بدعات پھوٹ پڑیں۔ ترک دنیا بھی انہی بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے ہندوستان میں تو تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا اس لئے یہاں کے بارے میں تو کہا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ پہلا شخص کون تھا جس نے دنیا سے ترک تعلق کیا۔ عیسائیوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر ترک دنیا کا تصور سب سے پہلے مصر کے عیسائیوں میں آیا۔ ۲۵۰ء میں وہیں سب سے پہلے خانقاہ بنی جو ۳۵۰ء تک یعنی سو برس قائم رہی۔ اسے سینٹ انیتھنی نے قائم کیا تھا۔ اس کے بعد دوسری خانقاہ بحر احمر کے کنارے قائم ہوئی اور پھر یہ سلسلہ آگ اور سیلاب کی طرح اطراف میں پھیل گیا۔ دنیا کو چھوڑ دینے والے راہب اور راہبات کے لئے خانقاہیں بننے لگیں۔ شام، فلسطین، افریقہ، یورپ (اور شاید ہندوستان بھی) سب اس لپیٹ میں آگئے بعض بعض خانقاہوں میں بیک وقت تین تین ہزار راہب گوشہ نشین تھے۔ ہندوستان کے ایک ایک بن میں ہزاروں رشی اور منی دنیا چھوڑ کر سنیاس

عارن کئے ہوئے تھے۔
کوہِ قاف کے درّہ "ہُو" کی ہڈیوں کی لائبریری میں ہر ولی کا جو
ارف نامہ موجود ہے اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تو
عض افسانہ ہیں مثلاً دادھیش کے تعارف میں لکھا ہے کہ وہ "نوم شاران"
ی جنگلات کے قریب آباد بستیوں کا ایک نیک راجہ تھا۔ اس کے زمانے
ں ایک بار اہرمن اور یزداں (بدی اور نیکی کے خدا) کے درمیان سخت
نگ چھڑی۔ داد ھیش کے تعارف میں اہرمن اور یزداں کی افواج کو
یوتا اور راکشش کہا گیا ہے۔ دیوتاؤں اور راکششوں میں لڑائی
ھڑی تو راکشش غالب ہونے لگے۔ دیوتاؤں نے مشورہ کیا کہ راکششوں کو کیسے
شکست دی جا سکتی ہے۔ ایک دیوتا نے اپنے علم کے زور سے بتایا کہ اگر
ہنشاہ "داد ھیش" اپنی ریڑھ کی ہڈی ہمیں دے دے اور ہم اس کی
یڑھ کی کمان اور پسلیوں کے تیر بنا کر لڑیں تو راکششوں کو شکست
ے سکتے ہیں۔

چنانچہ دیوتاؤں نے داد ھیش سے درخواست کی۔ داد ھیش بخوشی
رہو گیا۔ ریڑھ کی ہڈی دینے کے لئے تدبیر یہ کی کہ ایک ایسے تالاب
ں کھڑا ہو گیا جس میں جونک اور چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے زیادہ
مداد میں پائے جاتے تھے۔ جونکوں نے اس کے جسم کا خون پی لیا،
یڑے مکوڑوں نے گوشت کھا لیا۔ جب ڈھانچہ رہ گیا تو دیوتاؤں نے
سے نکالا اور اسے استعمال کر کے راکششوں پر فتح حاصل کی۔ واللہ اعلم
صواب۔

اس لائبریری میں عیسائی ولیوں کی ہڈیوں کی ایک لمبی قطار ہے

ان ولیوں میں ایسے بھی تھے جنھوں نے ترک لذات کے تحت گلی سڑی اشیا
کھاکر زندگی گزار دی۔ کوئی کسی کنوئیں میں الٹا لٹک گیا۔ ایک ولی بیسار
چالیس دن تک کانٹوں دالی جھاڑی میں پڑا رہا تاکہ جسم کو سکھ نہ مل سکے
اس کے بعد چالیس سال تک اس نے زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ ایک
ولی الیس۔ جان تین سال تک عبادت میں ایک ٹانگ سے کھڑا رہا۔ اس پو
مدت میں نہ وہ کبھی بیٹھا اور نہ لیٹا۔ آرام کے لیے بس ایک چٹان کا سہا
لے لیتا۔ اس کی غذا صرف وہ تبرک تھا جو اس کے معتقدین دے جا
تھے۔

اسی طرح کے تعارف کے ساتھ لائبریری کے اندر سیکڑوں ولیو
کے مکمل ڈھانچے رکھے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ دردناک ان ولیو
کا تعارف ہے جنھوں نے اللہ کی محبت میں اپنے کو لوگوں سے الگ رکھا تھا
حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، بھائیوں اور بہنوں کو اپنے دیدار سے محروم کرد
ان ولیوں نے شادی اپنے اوپر حرام کرلی تھی اور اس اندیشے سے کہ کہیں خ
کی محبت کم ہو جائے، ان ساری محبتوں کو قربان کر دیا تھا جن کے حقدا
ان کے گھر والے تھے۔ ان میں سے کچھ دل شکن واقعات یہ ہیں۔

ایک ولی ایواگریس کے تعارف میں لکھا ہے کہ وہ برسوں تک
جنگلوں میں ریاضتیں کرتا رہا۔ ایک دن اچانک اس کے پاس اس
والدین کے خطوط پہنچے جو برسوں سے اس کی جدائی میں تڑپ رہے تھ
ولی کو اندیشہ پیدا ہوا کہ ان خطوط کو پڑھ کر ماں باپ کی محبت عود کر آئے گ
اس نے ان کو پڑھے بغیر آگ میں جھونک دیا۔

ایک اور راہب تھیوڈورس تھا۔ اس کی ماں اور بہن بہت س

پادریوں کے سفارشی خطوط لے کر اس کی خانقاہ میں پہنچیں اور چاہا کہ بس ایک نظر بیٹے اور بھائی کو دیکھ لیں مگر ولی صاحب نے ان کے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔

ایک اور "حضرت" نے کمال ہی کر دیا۔ وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر ستائیس سال تک غائب رہے۔ باپ بیٹے کے غم میں مر گیا۔ ماں زندہ تھی۔ جب اس نے سنا کہ میرا بیٹا ولی ہو گیا ہے تو وہ اس سے ملنے چلی۔ لیکن خانقاہ کے اندر کسی عورت کے جانے کی اجازت نہ تھی۔ ماں نے لاکھ خوشامد کی کہ اگر مجھے اندر نہیں بلاتے تو خود ہی باہر آ کر اپنی صورت زیبا دکھا دو، میں اتنی دور سے دیکھنے کے لیے آئی ہوں۔ مگر شاباش ہے اللہ کے ولی نے صاف انکار کر دیا۔ تین رات اور تین دن وہ ضعیف عورت خانقاہ کے دروازے پر بھوکی پیاسی پڑی رہی آخرکار اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ تب ولی اللہ صاحب نکل کر تشریف لائے۔ ماں کو دیکھ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ بس اس غلطی پر کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ماں کو دیکھ کر واپس گئے تو اپنی آنکھیں پھوڑ لیں۔

ایسی ہی بیدردی ان تارک الدنیا ولیوں نے اپنی اولاد کے ساتھ کی۔ ایک شخص میوٹیس کا قصہ اس کے تعارف نامے میں یوں ہے کہ وہ ایک خوشحال آدمی تھا۔ اچانک اس پر ترک دنیا کا دورہ پڑا۔ وہ اپنے آٹھ سال کے اکلوتے بچے کو لے کر خانقاہ میں پہنچا۔ وہاں اس کی روحانی ترقی کے لئے ضروری تھا کہ بیٹے کی محبت دل سے نکال دے۔ لہٰذا سب سے پہلے اسے بیٹے سے الگ رکھا گیا۔ اس کے بعد بہت دنوں تک اس کے سامنے اس کے بیٹے کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ ولایت کا امیدوار

یہ سب دیکھتا رہا اور برداشت کرتا رہا۔ اس امتحان میں پاس ہو گیا تو خانقاہ کے شیخ نے اسے حکم دیا کہ اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے دریا میں پھینک دے۔ جب وہ بیٹے کو دریا میں پھینکنے کے لئے تیار ہو گیا تو دوسرے لوگوں نے بچے کی جان بچالی جو بچے کو دریا میں ڈوبنے سے بچانے کے لئے پہلے سے متعین کر دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد یہ مان لیا گیا کہ وہ اللہ کا ولی ہو گیا۔

ہمارے ابن بطوطہ نے اس طرح کے واقعات لکھنے کے بعد اس طریق عبادت پر کڑی تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ اس نے تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ طریقہ عبادت فطرت سے جنگ ہے۔ دنیا ترک کرنے والوں نے جب فطرت سے شکست کھائی تو وہ ساری خانقاہیں اور وہ سارے استھان جو خدا کی عبادت کا گڑھ تھے، بداخلاقی کا اڈہ بن گئے۔ ہمارے ابن بطوطہ نے اپنے مضمون میں ہر ملک کے ان شکست خوردہ ولیوں کی بدکرداریوں کے واقعات لکھے ہیں لیکن ہم ان ناگفتہ بہ واقعات کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اپنا مضمون ختم کرتے ہوئے اس نے بڑے فخر کے ساتھ اسلامی عبادات کا ذکر کیا ہے اور آخر میں یہ حدیث درج کی ہے:-

لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

(اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)